سید العلماء
سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی
سوانح حیات
تصنیف
مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ
ترتیب مع اضافہ
مولانا محب الحق

سید العلماء

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات

تصنیف

مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ

ترتیب مع اضافہ

مولانا محبّ الحق

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

ناشر

شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

نام کتاب	:	سید العلماء
تصنیف	:	مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ
ترتیب مع اضافہ	:	مولانا محب الحق (پروہی مدھوبنی بہار) (استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)
کمپوزنگ	:	عبدالصبور (عبدالرحمٰن کمپیوٹر گرافکس) محلہ شاہی چبوترہ، امروہہ
ناشر	:	جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ
طباعت	:	جید پریس، بلی ماران، دلی۔٦
تعداد	:	۲۵۰
سن اشاعت	:	۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء
قیمت	:	ایک سو روپیہ (۱۰۰ر روپیہ)
ملنے کے پتے	:	مدرسہ نسیم العلوم مسجد اتاروالی، سرائے کہنہ، امروہہ
		دارالکتاب شیخ الاسلام روڈ (نل روڈ) محلہ ملانہ، امروہہ
		مدنی کتب خانہ نزد جامع مسجد، امروہہ
		الفرقان بک ڈپو ۳۱/۱۱۴ نیا گاؤں نظیر آباد لکھنؤ
		ادارۂ ادبیات دلی ۵۸۰۳ صدر بازار دہلی ٦

فہرست مضامین

افتتاحیہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم! اما بعد

امروہہ شمالی ہندوستان کی ایک قدیم مردم خیز بستی رہی ہے۔ جس کو بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیا، اولیاء، اطباء، شعراء اور صاحبانِ علوم و فنون کا مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ یہاں تقریباً تمام مروجہ سلاسل طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہائے فیوض و ہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے۔ یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے۔ اور بعض خاندانوں میں مسلسل علماء پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً و بعد نسل بڑے بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ فن شاعری میں بھی امروہہ نے کافی نام پیدا کیا۔ شمالی ہند کے پہلے مثنوی گو شاعر اسماعیل امروہوی اور مشہور صاحب دواوین شاعر مصحفی کے وطن ہونے کا بھی شرف امروہہ کو حاصل ہے۔ تیرہویں صدی کے وسط ۱۲۶۷ھ موافق ۱۸۵۰ء میں فخر زمن سید العلماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ نے اپنے وجود باجود سے اس خطۂ خاک کو شرف تقدس بخشا۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ عبداللہ کرمانی معروف بہ شاہ ابن بدر چشتی خلیفۂ شاہ علاء الدین فریدی فیل مستؒ عہد اکبری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔

حضرت محدث امروہیؒ نے ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم یہاں کے بلند پایہ عالم مولانا سید رافت علیؒ، مولانا کریم بخش بخشیؒ اور مولانا محمد حسین جعفریؒ سے حاصل کی۔ طب حکیم امجد علی کنبوہ، اثنا عشری امروہوی سے پڑھی۔

بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے نانوتہ، میرٹھ اور دیوبند میں رہ کر کی۔ حضرت نانوتویؒ نے سفر و حضر میں پڑھایا۔ اولاد سے زیادہ عزیز رکھا۔ جس کی نظیر اُس زمانہ کی تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ آپ نے مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، مولانا عبدالقیوم بڈھانوی نزیل بھوپالؒ قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ سے بھی حدیث کی اجازت حاصل کی اور آخر میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنیؒ سے سند حدیث حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے آپ مخصوص و محبوب اور ممتاز شاگرد تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنے باکمال شاگرد کو فارغ ہوتے ہی تعلیمی تحریک کا رکن بنا دیا۔ جو جدوجہد خود کر رہے تھے اسی جدوجہد میں ان کو بھی منہمک کر دیا۔ تصویر قاسمی اور قاسم ثانی کہے اور لکھے جاتے تھے۔

درس و تدریس کا آغاز مدرسہ قاسمیہ خورجہ ضلع بلند شہر سے کیا۔ کچھ سالوں کے بعد مدرسہ سنبھل، مدرسہ عبدالرب دہلی میں بھی درس دیا۔ پھر حضرت نانوتویؒ کی منشا کے مطابق "مدرسۃ الغربا" (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد) میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔ ہر جگہ آپ مسند صدارت پر رونق افروز رہے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد میں صفر ۱۲۹۶ھ سے شعبان ۱۳۰۳ھ تک قیام رہا۔ وہاں سے استعفیٰ دے کر اپنے وطن واپس آگئے۔

امروہہ تاریخی بستی ہے۔ یہاں پر ہر زمانہ میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہاں "معز الدین کیقباد" کے عہد میں سب سے پہلا عربی مدرسہ "معزیہ" کے نام سے قائم ہوا تھا۔ یہاں کی خانقاہوں میں علم و عرفان کی بارشیں ہوتی تھیں۔ اکبری دور کے مشہور میر عدل مولانا سید محمدؒ اسی سرزمین کے باشندے تھے۔ صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونیؒ نے آپ سے درس حاصل کیا۔

برصغیر کے مشہور مورخ پروفیسر خلیق احمد فریدی نظامی مرحوم امروہوی امروہہ کے متعلق تذکرہ بدر چشت میں لکھتے ہیں:

"امروہہ کا یہ حسن اس کے محل وقوع یا جغرافیائی خصوصیات کے باعث نہیں بلکہ علماء، مشائخ، اصحاب ذکر و فکر کے ان خانوادوں کے جمال و کمال کا پرتو تھا۔ جس نے یہاں کی مختصر آبادی میں وہ دلکشی پیدا کر دی تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔"

حضرت محدث امروہیؒ مدرسہ شاہی سے مستعفی ہو چکے تھے۔ اپنے وطن امروہہ کی جامع مسجد میں ایک پرانے مدرسہ کی "نشاۃ ثانیہ" کی۔ یہ مدرسہ پہلے سے معمولی حالت میں تھا۔ آپ نے باقاعدہ قائم کر کے اس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم جاری کی۔ مولانا امروہیؒ کی شخصیت کی وجہ سے بہت جلد دور و نزدیک کے طلباء سے مدرسہ معمور ہو گیا۔ کچھ ذی استعداد طلباء تو مرادآباد سے آپ کے ہمراہ آئے تھے۔ مولانا فریدی امروہی تحریر کرتے ہیں کہ یہ مدرسہ بنیادی حیثیت سے حضرت قاسم العلومؒ کا قائم کردہ ہے۔ انھیں کی ایماء پر اس مدرسہ کی داغ بیل پڑی تھی۔ شمالی ہند کے جہاں اور بہت سے مدارس اسلامیہ حضرت قاسم العلومؒ کی یادگار ہیں وہاں یہ مدرسہ بھی انھیں کی یادگار اور ان کے دریائے فیض کی ایک نہر ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد کچھ سال تک یہ مدرسہ متعدد محلوں میں مختلف ناموں سے ابتدائی و متوسط حالت میں چل رہا تھا۔

حضرت محدث امروہیؒ نے جامع مسجد میں مدرسہ کے لیے عمارتیں تعمیر کرائیں۔ دارالحدیث، درسگاہیں، مدرسین اور طلباء کے لیے حجرے بنوائے۔ اس طرح امروہہ کی قدیم دور کی علمی روایات کو از سر نو نشاۃ ثانیہ بخشی۔

نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ میں بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ سے امام غزالیؒ، عبدالقادر سہروردیؒ اور عماد الدین موصلیؒ وغیرہ جیسے علماء فارغ ہوئے۔ اسی طرح حضرت محدث امروہیؒ کے مدرسہ سے دنیائے اسلام کی مشہور و معروف شخصیتیں وجود میں آئیں۔ مثلاً فخر الاماثل حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز یہیں سے کیا۔ ہندوستان کے معروف مجود قاری ضیاء الدین الہ آبادی نے تدریس کے ساتھ درس نظامی کی مکمل تحصیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ امام صرف و نحو مولانا سید رضا حسن امروہیؒ جیسا عبقری کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ پروفیسر عبدالعزیز میمن نے بھی استفادہ کیا۔ مفتی محمودؒ سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد (پاکستان)، مولانا حاجی سید محمد طاسین صدر مجلس علمی کراچیؒ نے صحاح ستہ کی تکمیل کر کے حافظ عبدالرحمٰن مفسر امروہیؒ سے سند فراغت پائی مولانا عبدالقدوس صدیقی امروہیؒ جن کی ذہانت و ذکاوت ضرب المثل تھی جامعہ ہٰذا کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ بہت سوں نے طب کی تعلیم حاصل کر کے ملک میں طبیب حاذق کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ بابائے طب مولانا حکیم فرید احمد عباسی امروہیؒ افسر الاطباء مولانا حکیم سید حامد حسن امروہیؒ، شفاء الملک مولانا حکیم رشید احمد خاں امروہیؒ، مولانا امین الدین خاں ''شارح نفیسی'' وائس پرنسپل طبیہ کالج قرول باغ دہلی وغیرہ نے اپنے کارہائے نمایاں سے آپ کا اور امروہہ کا نام روشن کیا۔ حضرت محدث امروہیؒ تفسیر و حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ مثنوی معنوی، منطق الطیر، دیوانِ حافظ، احیاء العلوم وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔ اسی کے ساتھ کتاب الشفاء اور قانون کا بھی درس دیتے تھے۔ غرض کہ امروہہ کو اسلامی روایات کے گہوارہ کا درجہ حاصل تھا۔

درس و تدریس کی مشغولیت کے ساتھ اپنے استاذ معظم مولانا نانوتویؒ کے نصب العین پر پوری طرح کمربستہ تھے۔ جب بھی باطل فرقوں نے سر اٹھایا اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ امروہہ میں ہو یا یہاں سے دور دراز دہرہ دون، بھاگلپور وہاں آپ دینِ محمدی کی حفاظت کے لیے نظر آتے ہیں۔ آپ ایک طرف مفسر و محدث تھے تو دوسری طرف مبلغ، مقرر، واعظ اور مناظر بھی تھے۔ گلاوٹھی، نگینہ اور رامپور کے مناظرے مشہور و معروف ہیں۔ تحریر و تقریر میں قاسمی علوم پوری طرح نمایاں ہے۔ گویا کہ اس وقت کے تمام اکابر کے مرجع تھے۔

آپ کے استاذ معظم حضرت نانوتویؒ کی سوانح مولانا گیلانیؒ نے ان کی وفات کے ۷۵ پچھتر سال بعد لکھی۔ تو مولانا فریدی امروہیؒ نے محدث امروہیؒ کی سوانح مضمون کی صورت میں آپ کے

انتقال کے تینتالیس سال بعد لکھی جو ماہنامہ دار العلوم دیو بند میں نو قسطوں میں شائع ہوئی۔ اب جب کہ آپ کی وفات کو پورے ایک سو سال ہونے کو جارہے ہیں (ایک صدی) تو آپ کی سوانح کتابی شکل میں ''منصۂ شہود'' پر آرہی ہے۔ یہ سعادت احقر کے حصہ میں لکھی ہوئی تھی۔ اس کتاب کے بیاسی عناوین ہیں جن میں تئیس نئے عناوین کا اضافہ کیا ہے اور ساتھ ہی مولانا فریدیؒ کے عناوین میں بھی کہیں کہیں اضافہ کیا ہے۔ اضافہ میں سب سے بڑا ماخذ مکتوبات سید العلماء رہی ہے۔ کتاب کے آخر میں حضرت محدث امروہیؒ کے وقت سے لے کر اب تک جامعہ ہٰذا میں جتنے مہتمم اور صدر مدرسین ہوئے ہیں ان کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے احقر کی حوصلہ افزائی کی خصوصاً مفسر قرآن مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی، جناب سید زبیر احمد رضوی امروہوی نبیرۂ حضرت محدث امروہیؒ، مولانا حافظ جنید اکرم فاروقی امروہوی ان لوگوں نے احقر کی درخواست پر اپنے اپنے گراں قدر مضامین سے اس کتاب کے حسن کو دوبالا کیا۔ بعدہٗ اپنے استاذ محترم مولانا محمد اسماعیل مدظلہ العالی استاذ حدیث جامعہ ہٰذا اپنے مفید مشوروں سے رہنمائی فرماتے رہے، کا بھی مشکور ہوں۔ پروف ریڈنگ میں مولوی محمد انظار اور مولوی محمد پرویز متعلمان جامعہ ہٰذا نے کافی مدد دی اور اپنے لڑکے مولانا حافظ قاری امداد الحق بختیار سلمہٗ جو اس وقت دار العلوم دیو بند میں افتاء کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ساتھ ہی حضرت محدث امروہیؒ کے پرپوتے سید کامران احمد رضوی ایڈوکیٹ جن کو اپنے پردادا سے والہانہ محبت وعقیدت ہے۔ ان کی توجہ سے یہ کتاب شائع ہورہی ہے طباعت کی پوری ذمہ داری اٹھائی اور محمد امیر معاویہ ابن حافظ اقرار احمد عباسی ایڈوکیٹ امروہوی کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے کامران صاحب سے تعارف کرایا۔ عبد الصبور سلمہٗ نے بڑی ہی لگن سے کمپوزنگ کی۔

آخر میں قارئین سے گذارش ہے کہ حضرت محدث امروہیؒ اور حضرت مولانا فریدی امروہیؒ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور عاجزانہ التجا ہے کہ راقم الحروف کے والدین مرحومین کے لیے بھی دعائے مغفرت فرمائیں جن کی دعائے سحرگاہی کی بدولت کسی لائق ہوا۔ اگر کہیں بھول چوک ہوگئی ہو تو احقر کی کم علمی پر محمول فرمائیں۔ تمام معاونین کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامین

چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے ☆ ہمارے دل میں ہے وہ شمع انجمن میں نہیں

خاکپائے حضرت فریدی محب الحق

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

ایک حسین روحانی تذکرہ

از مفسر قرآن مولانا حافظ قاری سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ نے محدث عصر سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ شاگرد رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ میں تذکرہ شائع کیا ہے۔

صاحب تذکرہ وقت کے عظیم محدث اور تذکرہ کے مرتب حضرت فریدی امروہیؒ، پھر اس تذکرہ کی ایک ایک سطر سے علم وروحانیت کی شعاعیں کیوں نہ پھوٹیں؟

بڑا احسان کیا علمی اور روحانی دنیا پر مولانا محب الحق صاحب (شاگرد ومسترشد حضرت فریدیؒ) کا جنھوں نے دارالعلوم کے قدیم فائل سے یہ تذکرہ نکال کر ہم قدر دانوں تک پہنچایا۔

مولانا محب الحق صاحب اپنے استاذ حضرت فریدیؒ کی روحانی توجہات کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے اکابر وافاضل علم کے مبارک تذکروں کو زندہ کرنے میں مصروف ہیں۔ میں اصحاب خیر ونعمت مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مولانا موصوف کے ان علمی اور روحانی شہ پاروں کی نشر واشاعت میں ان کے ساتھ تعاون فرمائیں تاکہ یہ تبرکات کے خزانے کاغذوں پر زندہ رہیں۔

مولانا محب الحق صاحب سے اس ناکارہ خلائق کی امیدیں بھی وابستہ ہیں کہ وہ اپنے قلمی شاہپاروں میں وقت آنے پر مجھے بھی یاد رکھیں گے۔ مجھے قلق رہے گا کہ میں ان کے سلسلہ نشر واشاعت میں ان کی مالی اعانت کرنے اور کرانے سے معذور ومحروم رہا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ قبولیت تامہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی،

لال کنواں، شیخ چاند اسٹریٹ، دہلی ۶

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ موافق ۱۷/اپریل ۲۰۰۸ء

مولانا امروہویؒ کی سوانح کی بازخوانی

از جناب سید زبیر احمد رضوی نبیرہ حضرت محدث امروہیؒ

بظاہر یہ گھسی پٹی بات لگتی ہے کہ زندہ قومیں اپنے اکابر کو اپنے حافظوں میں مرنے نہیں دیتیں یہ اعلان نامہ ہمارے آج کے معاشرے میں اس لیے بھی قابل قبول نہیں رہا کہ امتیاز اور توقیر کے لائق کون ہے؟ اور کون نہیں؟ اس کے معیار بدل رہے ہیں ایک جمہوری نظام میں ان معیاروں میں بدنیتی کی اتنی ملاوٹ آجاتی ہے کے کھر کھوٹے کے درمیان حدِ فاصل بھی دھندلا جاتی ہے خاص طور سے ہماری دینی تاریخ اور تہذیب کے کئی روشن چراغ حال کی بے توجہی اور بے اعتنائی کے ہاتھوں ٹمٹماتی لَووں کے ساتھ جلتے رہنے کے مقدر سے بھی محروم ہو جاتے ہیں علوم اسلامیہ کی وہ درسیاتی تاریخ جس کی پہلی اینٹ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں رکھی تھی اس کے حلقۂ تدریس میں مولانا محمود حسن عثمانیؒ اس اعتبار سے خوش بخت تھے کہ ان کے سوانح نگاروں نے حضرت کے اَحوال اور آثار کو ''سفر نامہ اسیرِ مالٹا'' حیات شیخ الہند' اور 'ذکر محمود' جیسی کتابوں میں محفوظ کر دیا لیکن ان کے رفیقِ درس اور عالم بے مثال مولانا امروہویؒ کے ذکر و فکر کو قلم بند ہونے کے لیے مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ جیسا عالم کئی دہائیوں بعد میسر آیا اور اب سو برس بعد مولانا فریدیؒ کے شاگرد عزیز مولانا محب الحق کو اپنے استاذ کی تحریرات کو ''سید العلماء'' کے عنوان سے مرتب کر کے کتابی صورت دینے کی سعادت ملی ہے۔

مولانا امروہویؒ کے افکار اور دینی علوم کے سلسلے میں ان کی عالمانہ بصیرت اور یکتائی ایک ایسے عہد میں ہندوستان کے دینی حلقوں میں توجہ کا مرکز بنی جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکیؒ کے طرزِ طریقت اور دینی فرمودات کی پذیرائی اور عوامی قبولیت اپنے عروج پر تھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیو بند کی بنیاد ڈالتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جیسے عالموں کے درسیاتی نظام اور ان کے فیضانِ طریقت کے مدارج و مراحل کو اپنے دینی تعلیم کے منصوبوں میں مشعلِ راہ بنایا تھا مولانا نانوتویؒ کو اپنے دینی تعلیم کے خواب کو عملی شکل دینے کے لیے تین ایسے سعادت مند شاگرد بھی میسر آ گئے جو ان سے اکتساب علم کر کے سونا بن چکے تھے اور جن میں علم دین کے تشنگان نے اپنے استاذ محترم کے

مقرر کردہ دینی تعلیم کے معیار کے مطابق سیراب کرنے کی غیر معمولی استعداد پیدا ہو چکی تھی یہ مثلث محمود حسن، احمد حسن اور فخر الحسن کے نام سے ممتاز ہوا یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ استاذ محترم نے اپنے ان شاگردوں کو شمالی ہند کے مسلم آبادی کے اہم مرکزوں میں علوم دینی کا سفیر بنا کر بھیجا یہ تینوں انفرادی حیثیت میں مولانا محمد قاسمؒ کی قیادت اور رہنمائی میں دینی مدرسوں کی بناڈالتے، درس وتدریس کے خاکے بنا کر خود اسے اہل شہر کے تعاون سے عملی شکل دیتے، تبلیغ دین کرتے اور اسلام کے نکتہ چینوں کے ساتھ کھلے میدانوں میں مناظرے کرتے، سیاسی محاذوں پر علمائے دین کے موقف کی وضاحت کرتے اور فرنگی نظام تعلیم میں دین کی نفی کی مزاحمت کرتے

اس پس منظر میں مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ کے کاموں کا جائزہ، ان کی علمی، فکری اور دانش ورانہ صلاحیتوں کا ادراک ہمیں علمائے دیوبند کی اولین نسل میں ان کے مرکزی رول کی نشان دہی اور ان کے عالمانہ مرتبے اور منصب کے تعین میں مدد دیتا ہے یہ محدث، مفسر اور صاحب درس مبلغ مولانا امروہویؒ کی ذات گرامی ہی تھی کہ ۱۹۰۴ کے نگینے، بجنور میں آریوں کے ساتھ مناظرے میں اسلام کی برتری اور نظم عالم کی بہتری کے لیے آدم خاک پر اس کے نزول کے بارے میں مولانا امروہویؒ کو وکالت کرنے کا منصب سونپا گیا تھا اس مناظرے میں مولانا امروہویؒ کی اس متفقہ نامزدگی کو ان کے رفیق شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تائید بھی حاصل تھی شواہد تو یہ بھی بتاتے ہیں کہ درس وتدریس کے فرائض سونپتے ہوئے دونوں کی علمی برابری اور تنخواہوں میں مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا

مولانا محب الحق کی مرتب کردہ زیر نظر کتاب ''سید العلماء'' جس میں انھوں نے کچھ اضافے بھی کیے ہیں مولانا امروہویؒ کی شخصیت اور ان کے علمی اوصاف کی بے حد معلوماتی دستاویز ہے

مولانا امروہویؒ کے خانوادے کی دوسری نسل کا فرد ہونے کے ناطے میں اس کار خیر کے لیے مولانا محب الحق کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اس عرصے میں میرے برادر بزرگ پروفیسر وقار احمد رضوی نے کراچی سے یہ خوش خبری سنائی ہے کہ انھوں نے دادا محترم مولانا امروہویؒ پر اپنے انداز سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر اشاعت کے لیے دیدی ہے اس پر انھوں نے اپنے کام کا آغاز چار دہائیوں قبل پاکستان ہجرت کرنے سے پہلے کر دیا تھا

زبیر رضوی

دلی ۱۲/اگست ۲۰۰۸ء

نسیمِ جانفزا

از مولوی حافظ جنید اکرم فاروقی امروہوی

امروہہ میں حضرت پیر شاہ ابن بدر چشتیؒ متوفی ۹۹۵ھ کا خاندان بلحاظ علم وفضل اور باعتبار عزت وشرافت نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ (۱۸۵۰ء تا ۱۹۱۲ء) کی ذات والا صفات اس خانوادے میں گویا گل سر سبد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ وہ عالم باعمل اور فقیہ بے بدل تھے۔ ان کی بے پناہ علمیت اور بے مثال تقویٰ ان کی شخصیت کی عظمت کا اعلان کرتے تھے۔ وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان تھے۔ ان کی زبان اور ان کا قلم اشاعت قرآن اور ترویج سنت کے لیے وقف تھے۔ ان کی تحریر وتقریر دونوں پر کیف وپر تاثیر تھے۔

حضرت محدث امروہیؒ کے فارسی مکتوبات کا ترجمہ مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ نے شائع کیا تھا۔ مفتی صاحبؒ کو محدث امروہیؒ کی ذات سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اسی جذبے کے تحت انھوں نے حضرت محدثؒ کے سوانحی حالات قلمبند کیے تھے۔ جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ربیع الاول ۱۳۷۳ھ سے ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ تک بالاقساط شائع ہوئے تھے۔ اس مضمون کی ۹ قسطیں تھیں۔

مفتی صاحبؒ کے شاگردِ رشید مولانا محب الحق صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، صاحب تصنیف عالم ہیں۔ انھوں نے اپنے استاذ گرامی کے مختلف رسائل میں منتشر مضامین کو یکجا کرنے اور کتابی شکل میں شائع کرنے کا عزم فرمایا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی ''مقالات فریدی'' ہے۔

حضرت محدث امروہیؒ کی سوانح اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے جسے مولانا محب الحق صاحب نے مفید وکارآمد حواشی اور بیشتر جدید عناوین کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ جن سے حضرت محدث امروہیؒ کی سوانحی معلومات میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ حضرت محدث امروہیؒ کے نبیرۂ سامی (پرپوتے) جناب سید کامران احمد رضوی ابن جناب زبیر رضوی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری نبھائی ہے۔ مرتب اور ناشر دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ پراثر واعظ و خطیب بھی تھے اور بہترین شاعر و ادیب بھی۔ جامعیت کے ساتھ اختصار ان کی تحریر کی خصوصیت ہے۔ تذکرہ و سوانح نگاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ زیر قلم شخصیت کی کردار نگاری ان کے اوصاف و کمالات کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔

ناقدانہ بصیرت اور محققانہ ذہن حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی شخصیت کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ان کی عالمانہ نگارشات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے خانوادے سے متعلق ہوں یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے گھرانے کے علمی و شخصی تعارف میں ہو یا دیگر موضوعات پر ہوں۔ مذکورہ اوصاف میں ان تحریرات کو ایسا جاندار اور پروقار بنا دیا ہے کہ علمی دنیا ان پر فخر کرتی ہے۔ ان کے قلم کی یہ خصوصیات حضرت محدث امروہیؒ کی سوانح میں بھی نمایاں ہیں۔

حضرت محدثؒ کی سوانح مفتی صاحبؒ نے ان کی وفات کے تینتالس (۴۳) سال بعد مستند اور معتبر مآخذ کے ذریعہ مرتب کی تھی۔ زبانی روایات کو عقیدتمندانہ شیفتگی کے باوجود نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھ کر قلم بند کیا ہے۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں عقیدتمندی کے تحت مبالغہ آرائی کے ساتھ سنی سنائی باتوں کے لکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ جو کچھ لکھا ہے حتی الامکان تحقیق کر کے لکھا ہے۔''

اس لحاظ سے یہ سوانح جسے مولانا محب الحق صاحب ''سید العلماء'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں ان شاء اللہ اہل علم و نظر کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کرے گی اور بزرگوں کی حیات و خدمات سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے وجہ صد بصیرت افزاء و جانفزا ہوگی۔ مولانا محب الحق صاحب نے جس تحقیق، محنت اور جانفشانی سے حضرت مولانا امروہیؒ کی سوانح ترتیب دی ہے یہ کام اب شاید اس طرح کسی اور سے ممکن نہیں تھا۔

جنید اکرم فاروقی

۲۰/ جولائی ۲۰۰۸ء

تمہید حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ممتاز اور ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ خدا کے فضل وانعام سے باکمال استاذ کی شفقت وتوجہ اور پیدائشی وفطری صلاحیت کی مدد سے وہ مجسم تصویر قاسم بن گئے تھے۔

یوں تو حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت کچھ ہے لیکن یہ تین شاگرد کافی مشہور ہوئے۔ اتنے مشہور ہوئے کہ جہاں حضرت نانوتویؒ کا نام نامی آتا ہے وہیں ان تینوں کا نام بھی آنا لازمی ہے۔

(۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ۔ (۲) سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ۔ (۳) فخر العلماء حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صدیقی نانوتویؒ نے ''سوانح قاسمی'' میں مولوی رحمٰن علیؒ نے ''تذکرہ علماء ہند'' میں، مولوی عبدالرحمٰن صاحب امرتسریؒ (مؤلف کتاب الصرف وکتاب النحو) نے اپنے ''سفرنامہ بلاد ہند'' میں، نیز بعض دیگر تذکرہ نویسوں نے حضرت مولانا نانوتویؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ان تینوں شاگردوں کا ذکر مولاناؒ کے تذکرہ کے ضمن میں کیا ہے۔

ان میں سے اول الذکر دو حضرات نے دیوبند، اور امروہہ میں اپنے استاذ معظم کے معارف، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکیؒ کے سلوک کی اشاعت کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور جملہ علوم وفنون کے درس دئے اور تشنگانِ علوم کی ایک بڑی جماعت کو سیراب کیا۔ بلا مبالغہ، بغیر خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں ہستیوں نے اپنے رفقاء ومتوسلین کی نصرت سے ہند اور بیرون ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تعلیمی نظام اور تبلیغی پروگرام زندہ وبرقرار رکھا اور ان کی جدوجہد کے اثرات آج تک باقی ہیں۔

ان دونوں نے اپنی تمام عمر درسی مشاغل میں صرف کی۔ تادم آخر تعلیمات اسلامیہ کے رائج کرنے میں منہمک رہے اور نازک اوقات میں ملت بیضا کی پوری پوری حمایت وحفاظت کی۔

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کے کارناموں کا احقر کو پورا علم نہیں ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ مدرسہ عبدالرب دہلی میں کچھ عرصے مدرس رہے۔ ابوداؤد شریف پر حاشیہ لکھا تھا۔ اپنے استاذ کی بعض تصانیف کو مرتب کر کے شائع کرایا اور ان کی ایک مبسوط و مکمل سوانح عمری لکھی تھی۔ جس کا اب پتہ نہیں کیا ہوا۔ کیا اچھا ہو کہ کوئی صاحب جو مولانا فخر الحسن صاحبؒ کی سوانح سے واقفیت رکھتے ہوں ان کے سوانح پر بھی ایک مقالہ سپردِ قلم کر دیں[۱]۔ میرے خیال میں ان تینوں حضرات کی زندگیاں حضرت مولانا نانوتویؒ کی حیات طیبہ کا تتمہ ہیں۔

حضرت شیخ الہند کے حالات شیخ الاسلام مرشدنا حضرت مولانا حسین احمد مدنی[۲] مدظلہ، نے ''سفرنامہ اسیر مالٹا'' میں، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ نے ''حیات شیخ الہند'' میں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''ذکر محمود'' میں جمع کر دیئے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا محدث امروہیؒ کے حالات کتابی صورت میں آج تک مرتب نہ ہو سکے۔

اگرچہ حضرت محدث امروہیؒ کی قایم کردہ عظیم الشان درسگاہ موجود ہے۔ ان کے بہت سے تلامذہ آج بھی امروہہ ہی نہیں ہند اور بیرونِ ہند میں بقید حیات[۴] ہیں۔ ان کے اکلوتے صاحبزادے مولانا قاری سید محمد صاحب مدظلہ، موجود ہیں[۵]۔

---

[۱] آپ کے حالات پر فخر العلماء نامی کتاب سید اشتیاق صاحب اظہر نے ترتیب دی ہے۔ اسی کی تلخیص سوانح علماء دیوبند میں دی ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ آپ کی تصانیف حاشیہ سنن ابن ماجہ، حاشیہ سنن ابوداؤد (تعلیق المحمود) شرح تلخیص المفتاح وغیرہ ہے۔ مولانا سید عبدالحیؒ نے نزہتہ الخواطر جلد ۸ میں فخر العلماء کی تینوں علمی کاوشوں کا بہترین انداز میں ذکر کیا ہے۔ [۲] جب یہ مقالہ لکھا گیا تھا تو حضرت مدنی بقید حیات تھے۔ ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۷۷ھ موافق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو واصل بحق ہو گئے اور ۱۲، ۱۳ر جمادی الاول ۱۳۷۷ھ ۵، ۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب میں اس گنجینہ علم و معرفت کو قبرستان قاسمی دیوبند میں سپرد رحمت کر دیا گیا۔ [۳] ان کتابوں کے علاوہ تذکرہ شیخ الہند: مؤلفہ مفتی عزیز الرحمن بجنوریؒ، اسیران مالٹا، علمائے حق، تحریک ریشمی رومال: مؤلفہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ، نقش حیات: مؤلفہ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، تحریک خلافت: مؤلفہ قاضی عدیل عباسی مرحوم، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ: مؤلفہ ڈاکٹر اقبال حسن خاں، مقام محمود: ترتیب مولانا حبیب الرحمن قاسمی وغیرہ کتابوں میں آپ کے حالات ہیں۔ [۴] اب براہِ راست تلامذہ میں سے کوئی حیات نہیں ہے۔ [۵] مولانا حافظ قاری سید محمد میاں صاحب کا ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ موافق نومبر ۱۹۷۸ء میں وصال ہوا۔ (محب الحق)

لیکن زمانہ جتنا گذرتا جارہا ہے حالات کے مرتب ہونے میں دشواری ہوتی جارہی ہے۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ، حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودیؒ اور دیگر اکابر جو زیادہ حالات سے واقف تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مولانا امروہیؒ کے خاندان اور شہر امروہہ کے معمر اشخاص آج موجود نہیں۔ اگر چالیس سال پیشتر مولاناؒ کی سوانح عمری کو مرتب کرلیا جاتا تو پوری زندگی کے حالات تفصیلاً معلوم ہو جاتے اور ان کے تمام علمی و مذہبی کارنامے پوری صحت و تحقیق کے ساتھ من وعن سامنے آجاتے۔

مولوی محمود احمد صاحب عباسی[1] نے ''تذکرۃ الکرام'' کے اندر مشاہیر امروہہ کے سلسلہ میں حضرت محدث امروہیؒ کا بھی تذکرہ لکھا ہے لیکن مفصل حالات لکھنے کی نہ تو اس کتاب میں گنجائش تھی اور نہ تفصیلی حالات ان کو معلوم ہو سکے ہوں گے۔

آج مولاناؒ کی وفات کو تقریباً تینتالیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے[2]۔ میں نے حضرتؒ کو دیکھا بھی نہیں شاید میں ان کے وصال کے وقت ایک سال کا ہوں گا۔ اس صورت میں احتیاط کے ساتھ ایک مقالہ لکھنے میں بھی مجھے کافی تلاش و جستجو کرنی پڑی۔

میں عقیدت مندی کے تحت مبالغہ آرائی کے ساتھ سنی سنائی باتوں کے لکھنے کا عادی نہیں۔ جو کچھ لکھا ہے حتی الامکان تحقیق کر کے لکھا ہے۔

اس وقت میری معلومات کے ذرائع وہ چند ہستیاں ہیں جنھوں نے حضرتؒ سے اخذ فیض کیا ہے۔ ان کی تقریریں سنی ہیں یا اپنے ہوش کے زمانہ میں ان کو دیکھا ہے۔

شاہ سلیمان احمد صاحب چشتی، مولانا محمد اسماعیل صاحب انصاری، مولانا قمر الدین صاحب سہنسپوری، مولانا حکیم محمد رفیع خاں صاحب لودھی امروہی، قاری عزیز الحق صاحب عباسی امروہی اور مولانا حکیم سید حسن[3] مثنیٰ صاحب رضوی وغیرہم سے مجھے اس سلسلہ میں کافی مدد ملی۔

---

[1] عباسی صاحب کا ۱۴ر مارچ ۱۹۷۴ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ [2] اب جبکہ حضرت محدث امروہیؒ کی سوانح کتابی صورت میں احقر شائع کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو تقریباً آپ کی وفات کو ایک صدی ہو چکی ہے۔ [3] مولانا شاہ سلیمان احمد چشتی کا ۲۳ر رجب ۱۳۸۱ھ موافق یکم جنوری ۱۹۶۲ء کو وصال ہوا۔ قاری عزیز الحق عباسی کا ۱۹۷۰ء میں، مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ رضوی ندوی کا ۲۸ر رجب ۱۳۸۲ھ موافق ۲۷ر ۱۲ر ۱۹۶۲ء میں وصال ہوا۔ بقیہ حضرات کی وفات کی تعیین معلوم نہ ہو سکی۔ یہ سبھی صاحبان حضرت امروہی کے تلامذہ تھے۔ (محب الحق)

ان بزرگوں سے سنی ہوئی محقق باتوں کے علاوہ بعض یادداشتیں رسالہ جات ''القاسم'' کے چند اقتباسات ''تذکرۃ الکرام'' کے چند جملے حضرت مولانا امروہیؒ کی دستی سندیں اور ان کے غیر مطبوعہ چند فتاویٰ تقریر ترمذی کے کچھ اوراق ''افاداتِ احمدیہ'' اور کتب خانہ پھلاودہ سے حاصل شدہ معلومات اور بعض دیگر تحریرات اس مقالہ کے اجزاء ترکیبی ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں جو واقعات اپنے استاذ حضرت مولانا سید ...نا حسن امروہیؒ داماد و برادرزادہ حضرت امروہیؒ اور دوسرے استاذ حضرت مولانا انوار الحق عباسیؒ سے سنے ...ئے یاد ہیں۔ وہ بھی اس مقالے میں حسب موقع کہیں کہیں شامل کروں گا۔ یوں تو کثرت سے حضرت ...ولاناؒ کی حکایات و واقعات اہل امروہہ کی زبانوں پر ہیں لیکن ان کا بغیر تنقید درج کرنا مناسب نہ جانا۔

حضرت محدث امروہیؒ کے صاحبزادے مولانا حافظ قاری سید محمد صاحب عرف بنے میاں کے پاس رکھا ہوا قلمی ذخیرہ بھی دیکھنے کو مل جاتا تو شاید اس سے زائد لکھ سکتا مگر حضرتؒ کے صاحبزادے حیدرآباد دکن میں ہیں۔ اس لئے اس ذخیرے سے مستفیض نہ ہو سکا۔

عرصے سے میری تمنا ہے کہ کسی نہ کسی طرح مولاناؒ کے مکمل حالات کتابی صورت میں آجائیں ان کی تحریرات و قلمی مسودات ان کی تقاریر و فتویٰ شائع ہو جائیں مگر ابھی تک میری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

ان کے استاذ مرحوم و مغفور کی سوانح عمری مولانا گیلانی کے قلم سے پچھتر سال کے بعد مرتب ہوئی ہے۔ اگر ان کی مکمل سوانح حیات کچھ عرصے معرض تاخیر میں رہ کر مرتب ہوں تو کیا تعجب ہے۔ خیر یہ مقالہ پیش کر رہا ہوں۔ خدا کرے کسی قابل ہو جائے اور ایک کامل و مکمل شخصیت کی زندگی کا کچھ نہ کچھ اندازہ اس کے ذریعہ ناظرین ''دار العلوم'' لگا سکیں۔

خاندان: روہیلکھنڈ اور عہد اکبری کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابو الفتح سید عبد اللہ المعروف شاہ ابن بدر[1] چشت کرمانی الامروہی متوفی ۹۸۷ھ موافق ۱۵۷۹ء جن کا سلسلہ نسب بواسطہ حضرت امام علی رضاؒ جگر گوشہ رسولؐ شہید کربلا حضرت حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ سادات رضویہ میں سے تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ کے

---

[1] آپ علاء الدین فیل مست فریدی فاروقیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ملا عبد القادر بدایونیؒ نے آپ کا سنہ وفات ۹۸۷ھ لکھا ہے جب کہ صاحب ماثر الامرا نے ۹۹۵ھ لکھا اور ساتھ ہی یہ مصرع تاریخ بھی لکھا ہے کہ ''آہ آہ شیخ ابن آہ آہ'' (محب الحق)

مورث اعلیٰ تھے جن کا تذکرہ ہندوستان کی مشہور تاریخوں میں ملتا ہے۔ مثلاً ''منتخب التواریخ'' جو ملا عبدالقادر بدایونیؒ کی نہایت قابلِ قدر تصنیف ہے۔ اس میں تفصیل سے حضرت شاہ ابّن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خود ملا عبدالقادر بدایونیؒ خانقاہِ شاہ ابّن میں بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ ''اسراریہ'' جو سید کمال سنبھلیؒ کی تالیف ہے اس میں بھی حضرت شاہ ابّنؒ اور ان کے بیٹوں و پوتوں کا تذکرہ تفصیل سے ہے۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کا تذکرہ ''اخبار الاخیار'' میں کیا ہے۔ اس میں ایک سطر یہ ہے ''شاہ ابّن درویشے بود در امروہہ''۔[2]

حضرت شاہ ابّنؒ بڑے پابند شریعت تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونیؒ نے آپ کے متعلق لکھا ہے ''دقیقہ از دقائق سنت فرونگذاشت'' (دقائق سنت میں سے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے)۔ اس کے علاوہ علامہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ''مآثر الکرام''[3] میں شاہ عبداللطیف امروہیؒ جو حجاز میں رہتے تھے کا ذکر کرتے ہوئے ان کے جدامجد حضرت شاہ ابّن صاحبؒ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

نام ونسب: حضرت محدث امروہیؒ کا اسم گرامی سید احمد حسن تھا اور والد ماجد کا نام اکبر حسین تھا ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حضرت کا نام احمد حسین تھا۔ اسی سادات کے خاندان میں حضرت محدث امروہیؒ کی ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں ولادت باسعادت ہوئی۔

صاحب تذکرۃ الکرام نے آپ کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے:

''علامہ زمان، افتخار زمانیان، استاذ الاساتذہ، افضل الفضلاء، امام المحدثین،

---

[1] اسراریہ ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں اور دوسرا رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔ تیسرا نسخہ نیشنل میوزیم دہلی میں ہے۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۳۲ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء)۔ [3] نسبش بہ شیخ عبداللہ المعروف بہ شیخ ابّن قدس سرہٗ می رسد کہ از مشاہیر اولیائے آں مقام است و در تاریخ پانزدہم ذی الحجہ ۹۷۷ھ سبع و سبعین وتسع مائۃ متوجہ عالم قدس گردید۔ شیخ عبداللطیف کا انتقال ۱۱۵۰ھ موافق ۱۷۳۷ء میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ ان کی اولاد میں مولوی سبحان علی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ فریدی۔

ذہین، فطین، خوشرو، خوش خو، خوش تقریر، صاحب وجاہت و بزرگ عہد تھے۔ شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے پوتے پیر اکبر حسین کے بیٹے ۱۲۶۷ھ میں ولادت ہوئی۔"

شجرۂ نسب: حضرت محدث امروہیؒ کا شجرۂ نسب حضرت شاہ ابنؒ تک حسب ذیل ہے:

سید احمد حسن بن سید اکبر حسین بن سید نبی بخش بن سید محمد حسین بن پیر سید محمد حسن بن سید سیف اللہ بن سید ابوالمعالی بن سید ابوالمکارم بن سید ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابنؒ۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی و متوسط عربی اور فارسی اپنے وطن کے بلند پایہ علماء مولانا سید رافت علی[1] صاحبؒ ساکن محلہ دربارِ کلاں، مولانا کریم بخش صاحب[2] نخشیؒ ساکن محلہ چاہ شور، مولانا سید محمد حسین صاحب جعفریؒ ساکن محلہ چاہ شور سے حاصل کی۔ طب امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خاں کنبوہ سے پڑھی۔

قاسم العلوم حضرت نانوتویؒ سے اخذ فیض: نانوتہ، میرٹھ[3] اور دیوبند میں رہ کر قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسمؒ سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور اپنے استاذ کے کمالاتِ علمیہ کا مکمل آئینہ بن کر مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے۔ شیخ الہندؒ، مولانا فخر الحسنؒ اور حضرت امروہیؒ کو آخر میں ایک دو سال کے لئے دیوبند بھی بھیج دیا تھا اور وہیں حضرت نانوتویؒ نے ان تینوں کی دستار بندی کرائی تھی۔ شفیق استاذ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو جس طرح شفقت، عزت اور توجہ کے ساتھ سفر و حضر میں پڑھایا، اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اس کی نظیر اس زمانہ کی تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنے باکمال تلمیذ کو فارغ ہوتے ہی تعلیمی تحریک کا رکن بنا دیا اور ملت بیضا کی سرسبزی و شادابی کے لئے خود جو جدوجہد کر رہے تھے اسی جدوجہد میں ان کو بھی مشغول و منہمک کر دیا۔

---

[1] شیعوں سے مناظرہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ردشیعہ میں کئی "معرکتہ الآراء" کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر شائع ہوگئی ہیں۔
[2] مولانا قاری امام الدین نخشی امروہیؒ خلیفہ شاہ غلام علی دہلویؒ و استاذ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے صاحبزادے تھے۔ قاری صاحب پانی پتیؒ نے تجوید کا مشہور رسالہ "تبیین الضاد" اپنے استاذ زادے مولانا کریم بخشؒ کی فرمائش پر لکھا ہے جیسا کہ اس کے دیباچہ سے ظاہر ہے۔ (فریدی)
[3] میرٹھ میں حضرت نانوتویؒ اس زمانہ میں مطبع ہاشمی میں ملازم تھے۔ مطبع میں کتابوں کی تصحیح کے بعد جو وقت ملتا تھا اس میں طلب کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ حضرت امروہیؒ حضرت نانوتویؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ (محب الحق)

شاگرد کو ہمیشہ میر صاحب، کہہ کر پکارتے۔ اہم علمی اشکالات کو ان کی خاطر حل کرتے تھے۔ اپنے عزیز شاگرد کی خاطر سے کئی مرتبہ امروہہ تشریف لائے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس تاریخی بستی کو مشرف فرمایا۔ ایک مرتبہ مدرسہ اسلامیہ کے قیام کا اہل امروہہ کو مشورہ دیا۔ حضرت قاسم العلومؒ کے چشم کرم کا صدقہ ہے کہ امروہہ کی سرزمین پر دینی و مذہبی درسگاہ کا وجود عمل میں آیا۔

مولانا نانوتویؒ کے علاوہ دیگر اساتذہ: حضرت نانوتویؒ کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں (جن سے صرف اجازت حدیث ہے) مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ، اور مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپال بھی شامل ہیں۔ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنیؒ سے بھی حدیث کی سند حاصل کی۔

بیعت: قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علاوہ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکیؒ سے بھی بیعت تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے بغیر طلب کے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا جیسا کہ مکتوب ۵۳ سے واضح ہوتا ہے۔ محبوب خاں صاحب امروہوی جب حج کو گئے تو حاجی صاحبؒ نے حضرت محدث امروہیؒ اور مولانا پھلاودیؒ کو خاں صاحب کے ذریعہ اجازت و خلافت ارسال کی۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۵۳ میں اس اجازت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "مخلصی محبوب خاں صاحب (حج و زیارت سے فارغ ہو کر) بفضلہٖ تعالیٰ مع الخیر امروہہ پہنچے۔ بختیاور خاں صاحب مکہ معظمہ میں قبلہ حاجی صاحب مدظلہٗ سے مشرف بیعت ہوئے اور مورد الطاف رہے۔ مدینہ منورہ میں پندرہ روز قیام نصیب ہوا۔ حضرت کی خیریت بیان کرتے ہیں اور سلام کہتے ہیں۔ حضرت کا والا نامہ تمہارے نام بھی لائے ہیں۔ ملفوف لفافہ کر کر بھیجتا ہوں میرے نام عالی نامہ بھی مرحمت فرمایا اور بغیر طلب ایک کرتہ ملبوس اور ایک وہ شجرہ جس میں تمام سلاسل بہ

[1] محدث سہارنپوری، محدث پانی پتی اور شاہ عبدالغنی یہ تینوں شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی کے حدیث میں شاگرد تھے۔ (محب الحق)

تمام وکمال مندرج ہیں (مجھے عطا فرمایا)۔ خاں صاحب سے فرمایا (شاہ بہاء الدین صاحب امروہی) یا احمد حسن سے تعلیم پانا، پھر فرمایا احمد حسن کے سپرد تم کو کیا جاتا ہے۔ وہی تعلیم کریگا۔ فالحمدُ للہ علیٰ ذالک"[1]

خورجہ میں آمد: تمام علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کے بعد حضرت نانوتویؒ کی ایماء پر خورجہ کے مدرسہ سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ وہاں یہ مدرسہ قاسم العلوم یا مدرسہ قاسمیہ کے نام سے قائم تھا۔ اس وقت آپ نوجوان تھے۔ میں نے مولانا عبدالرحمٰن خاں صاحب خورجویؒ سے براہ[2] راست یہ واقعہ سنا ہے کہ ان کی دادی نے مولانا محدث امروہیؒ کی آمد سے پہلے سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ "ہمارا یہ لڑکا تمہارے یہاں آئے گا۔ اِس کا خیال رکھنا۔" اُن نیک نہاد خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "یہ صاحبزادے حضرت حسنؓ کی اولاد میں ہیں یا حضرت حسینؓ کی؟ فرمایا کہ یہ حسین کی اولاد سے ہیں۔" اس کے بعد جب حضرت امروہیؒ خورجہ تشریف لے گئے تو مولانا خورجویؒ کی دادی نے حضرت امروہیؒ کی دعوت کی۔ مولاناؒ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان خوش بخت مسماۃ نے پردے میں سے کسی ضرورت کے لئے باہر نظر ڈالی تو وہی شکلِ مبارک آنکھوں کے سامنے تھی جو خواب میں دکھلائی گئی تھی۔

آپ خورجہ میں اُس مدرسہ کے صدر مدرس رہے جس کو حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ نے قائم فرمایا تھا اور وہاں پر مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بھی رفیق مدرس رہے۔ کچھ عرصہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی حضرت امروہیؒ کے ساتھ مدرس رہے۔

حضرت محدث امروہیؒ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو اپنے قیام خورجہ کے بارے میں مکتوب ۵ میں ارقام کرتے ہیں:

---

[1] بحوالہ "مکتوبات سید العلماء" مرتبہ مولانا فریدیؒ۔ (محب الحق) [2] پہلے یہ واقعہ حضرت مولانا سید رضا حسن امروہیؒ سے سنا تھا۔ بعدہٗ خورجہ جانا ہوا تو براہ راست مولانا عبدالرحمٰن خاں خورجویؒ کی زبانی سنا۔ (فریدی)

از خورجہ: احقر الزمن احمد حسن عفی عنہ

''بخدمت سراپا عنایت برادر مکرم خویش حافظ عبدالغنی صاحب سلام مسنون پیش کر کے عرض کرتا ہے۔ احقر بتاریخ ۲۵ر ماہ رمضان المبارک وطن سے روانہ ہوکر ۲۷ر رمضان المبارک کو خورجہ پہنچا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ مولوی حقداد خاں مرحوم کی تعزیت سے فارغ ہوکر ایک رات یہاں قیام کر کے حضرت مولانا (محمد قاسم نانوتوی) کی خدمت بابرکت میں (دیوبند) چلا جاؤں اور اپنی عید وہاں کروں اور واپسی کے وقت آپ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کو ہمراہ لے لوں مگر کیا کروں اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندوں کے ارادے پر غالب ہے۔ اس دفعہ حضرات خورجہ خصوصاً مکرمی مولوی رحیم داد خاں صاحب، مولوی حسین خاں صاحب، حافظ عبدالرحیم خاں صاحب، شفیق خاں صاحب، میاں امیر شاہ خاں صاحب نے پہلے سے بھی زیادہ عنایات فرمائیں اور بہزار اصرار احقر کو جانے نہیں دیتے تھے۔ ناچار عید خورجہ میں ہی کی، اور بعد عید جب میں نے عزم روانگی کیا تو ان حضرات نے کہا کہ آپ کی رخصت کی مدت پوری ہوگئی، اب مدرسہ کا کام شروع کر دینا چاہئے اور حضرت مولانا نانوتوی کی ملاقات کو ان کے دہلی آنے کے وقت تک کے لئے ملتوی رکھیں خیر ان کے اصرار کے بموجب اسی روز سے طلبہ موجودین کا سبق شروع کرا دیا ہے۔ میاں صاحب (امیر شاہ خاں صاحب) کی تاکیدات کے مطابق آپ کی خدمت سامی میں لکھتا ہوں کہ اگر دل میں ارادہ ہو تو اس خط کے پہنچتے ہی احقر کے پاس خورجہ پہنچ جائیں۔ عزیز سلطان الدین کو بھی ایک خط آپ کو بلانے کے لئے روانہ کیا ہے اور ابنِ حسن کو بھی خط بھیجا ہے اطلاعاً عرض کیا ہے''[1]

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدی۔ (محب الحق)

حضرت محدث امروہیؒ کس سن میں خورجہ گئے اور کب تک وہاں رہے یہ نہ معلوم ہوسکا۔

مدرسہ سنبھل: مدرسہ خورجہ کی مالی حالت کمزور ہو جانے کی وجہ سے حضرت محدث امروہیؒ کو منشی حمید الدین بیخود سنبھلیؒ نے سنبھل بلالیا۔ وہاں یہ مدرسہ جامع مسجد سنبھل میں یا اُس کے قریب مدرسہ کی بُنیاد ڈالی یا وہ پہلے سے ہی غیر ترقی یافتہ شکل میں موجود تھا۔ منشی صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے مریدوں میں سے تھے اور سفر وحضر کے رفیق بھی تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر حضرت محدث امروہیؒ کو مدرسہ سنبھل میں لانے کی تحریک کی۔ بیخود صاحبؒ مدرسہ کے منتظمین میں سے تھے۔ مکتوب ۱۲ میں مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مدرسہ سنبھل کی تدریس کے بارے میں رقم کرتے ہیں:

ازامروہہ باسمہٖ تعالیٰ وتقدس

''عزیزم حافظ عبدالغنی صاحب بعد سلام مسنون بہ اشتیاق مکنون واضح ہو رات قبلِ عشاء بعد مغرب ایک آدمی منشی (حمید الدین صاحب بیخود سنبھلی) کا بھیجا ہوا ان کے خط کے ساتھ جو فقیر کو طلب کرنے کے لئے تھا پہنچا۔ ایک خط بذریعہ ڈاک بھی موصول ہوا۔ صبح کو انشاء اللہ سنبھل روانہ ہوں گا۔ آنعزیز بھی اپنی روانگی میں توقف نہ کریں اور فوراً سفر کی تیاری کرلیں۔ زیادہ ہرج کرنا قرین عقل نہیں ہے۔''[1]

حضرت محدث امروہیؒ سنبھل ایک سال سے زیادہ نہیں رہے۔ اہلِ خورجہ خصوصاً خاں صاحب عبداللہ خاں وغیرہ منت سماجت کرکے پھر خورجہ لے آئے۔

قاسم العلوم والمعارف کی سنبھل تشریف آوری: جب حضرت محدث امروہیؒ سنبھل میں مدرس تھے تو قاسم العلوم والمعارف کا بریلی ورود مسعود ہوا۔ مولانا امروہیؒ کو پتہ چل گیا کہ استاذ معظم کی بریلی تشریف آوری ہوئی ہے، تو سنبھل لانے کے لئے بریلی جا پہنچتے ہیں تاکہ حضرت اپنے قدوم میمنت لزوم سے سنبھل کی سرزمین کو بھی مشرف فرمادیں۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدی۔ (محب الحق)

۱۴۱۴، ۱۴ میں تحریر کرتے ہیں:

از بریلی باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

''عزیزم حاجی حافظ مولوی عبدالغنی صاحب سلّمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون واضح باد۔ کل شب یہاں پہنچا۔ مولانا (قاسم العلوم والمعارف) کے عزم روانگی کا بہت تجسس کیا۔ کل تک کچھ پتہ نہ ملا۔ آج معلوم ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جناب قبلہ وکعبہ کل کے روز روانہ ہوں گے اور شاید کچھ توقف ہو جائے۔ ابھی تک ہر چند عرض و معروض کی مگر سنبھل آنے کا اقرار نہیں۔ کیا عجب ہے آپ صاحبوں کا جذبۂ شوق غالب آ جائے اور حضرت قبلہ وکعبہ نظر ترحم فرما کے سنبھل کا قصد فرماویں۔ اگر نہ آئے اور تم کو ملنا منظور ہو۔ کول (علیگڑھ) کو روانہ ہو جانا۔ ''کول'' میں بضرورت ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ اطلاعاً لکھا گیا ہے منشی حمیدالدینؒ صاحب یا حافظ کریم بخش صاحب اگر ہمراہ ہوتے ضرور مولانا کا سنبھل تشریف لانا متوقع تھا۔''

اگر میں یہاں نہ آتا اور خط پر اکتفا کرتا، بے شک جناب مولانا ''چندوسی'' میں قیام فرماتے اور مجھ کو اطلاع دیتے۔ چندوسی سے سنبھل لے جانا بہت سہل تھا مگر کیا کیجئے، یہ صلاحِ خوب سمجھ میں نہ آئی۔ اب کیا ہو؟ ع

''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں''

میں ان شاء اللہ دوشنبہ تک ضرور سنبھل پہنچوں گا''[1]

احمد حسن از محلہ قاضی واڑہ، مکان مولوی احمد حسین صاحب شہر بریلی

مکتوب ۱۴

از بریلی باسمہٖ تعالیٰ وتقدس

---

[1] [illegible] (محب الحق)

عزیزم حافظ عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''......عزیزم! کیا کہوں بہت کچھ چاہا مولوی صاحب (حضرت نانوتوی) کسی طرح سے جلدی سنبھل میں رونق افروز ہو جاویں مگر تم کو معلوم ہے کہ مولانا صاحب کا چھوڑنا کس کو گوارا ہے۔ ایک ہم ہی تم مشتاق نہیں، ایک عالم مشتاق پڑا ہے۔ خیر ان شاء اللہ جمعہ کے روز صبح کے وقت یہاں سے رُوانہ ہوں گے، ہفتہ کے روز سنبھل تشریف لاویں گے۔ آئندہ الغیب عند اللہ۔ آنا یقینی ہے۔

کل شام کے وقت یہاں بریلی پہنچے ہیں...... پنجشنبہ کو ''بہجوئی'' آجاویں گے۔ سواری سنبھل سے غالباً روانہ ہوگئی ہو۔ سب طلبہ کو یاد کر کے سلام کہہ دینا۔''

مولانا صاحب (اور) مولوی محمد منیر صاحب[1] (نانوتوی) سلام کہتے ہیں[2]۔

مدرسہ عبد الرب دہلی: حضرت محدث امروہیؒ خورجہ میں دوسری مرتبہ تقریباً ایک سال رہے وہاں سے آپ مدرسہ عبد الرب دہلی تشریف لے آئے۔ مدرسہ عبد الرب میں بھی صدر مدرس ہوئے۔ اسی مدرسہ میں مولانا خلیل الرحمٰن امروہیؒ کو جو قلم خاص سے لکھی ہوئی سند عطا فرمائی ہے (احقر کے پاس محفوظ ہے) اُس میں اپنے دستخط اس عبارت کے ساتھ ثبت کئے ہیں:

''کتبہٗ وحررہٗ احقر الزمن احمد حسن حسینی عفی عنہ فی المدرسۃ العربیۃ الواقعۃ فی الدہلی''

اس میں تاریخ و سن درج نہیں ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا کہ کس زمانہ میں دہلی میں بسلسلہ مدرسی قیام رہا۔ البتہ ''امیر الروایات'' سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ ہے جبکہ حضرت قاسم العلوم بھی

---

[1] مولانا محمد منیر صدیقی نانوتوی از ہر بند دار العلوم دیوبند کے چوتھے مہتمم ہوئے۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے رشتہ کے بھائی اور جہاد شاملی کے مجاہدین میں سے تھے۔ نہایت باخدا بزرگ اور صاحب دیانت اور تقویٰ لوگوں میں تھے۔ نقشبندی سلسلہ میں بیعت تھے۔ امام غزالی کی منہاج العابدین کا ترجمہ سراج السالکین کے نام سے کیا ہے۔ دوسری تصنیف فوائد غریبہ ہے۔ یہ بھی تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ آپ کا زمانہ اہتمام ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ موافق ۱۸۹۴ء سے جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ موافق ۱۸۹۵ء تک ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۲۱ھ میں ہوئی۔ [2] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا [illegible] صاحب [illegible]

منشی ممتاز علی مرحوم کے مطبع میں کام کرنے کے سلسلہ میں دہلی میں مقیم تھے۔ خود مولانا نانوتویؒ نے اس سند کے آخر میں فارسی میں حسب ذیل الفاظ لکھ کر دستخط فرمائے ہیں اور اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

"بندۂ کمترین محمد قاسم ہم می گوید کہ مولوی خلیل الرحمٰن از من چند سبق صحیح مسلم شریف خواندہ اند از سیماء حالِ اوشاں صلاح عیان است بشرط مرقوم بالا کہ" جناب مولوی احمد حسن صاحب مدظلہٗ' رقم فرمودہ اند من ہم اجازت درس حدیث وتفسیر مید ہم خداوند کریم مبارک فرماید ودر علم شان برکت دہد آمین ثم آمین! یارب العالمین' العبد محمد قاسم عفی عنہٗ

ملاحظہ فرمایئے کہ کس محبت واکرام کے ساتھ حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ اپنے عزیز شاگرد کے نام کے شروع میں جناب اور آخر میں مدظلہٗ ارقام فرما رہے ہیں۔

مدرسہ شاہی مراد آباد: حضرت محدث امروہیؒ مدرسہ عبدالرب دہلی سے حضرت نانوتویؒ کے مشورہ کے مطابق مراد آباد آ گئے۔ وہاں مولانا سید[1] عالم علی نگینوی ثم مراد آبادیؒ (متوفی ۱۲۹۶ھ موافق ۱۸۷۸ء) کے بعد ضرورت تھی کہ ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جائے۔ قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ

"مولانا سید عالم علیؒ کی شخصیت علمی لحاظ سے اتنی عظیم تھی کہ ان کا قائم مقام ایک بڑا مدرسہ ہی ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ حضرت نانوتویؒ کی حیات میں حضرت کی ایماء پر ماہ صفر ۱۲۹۶ھ موافق ۱۸۷۹ء میں شاہی مسجد مراد آباد کے اندر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا نام "مدرسۃ الغربا" رکھا گیا۔ جواب مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت

---

[1] آپ حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی کے شاگرد تھے۔ (محب حق)

محدث امروہیؒ کے پاس مراد آباد بھیجا۔ جب حضرت امروہیؒ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کو دیوبند بلالیا۔ اس ''مدرسۃ الغربا'' کے آپ پہلے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے۔ پہلے ہی سال اس مدرسہ میں طلبہ جوق در جوق آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ دیوبند و سہارنپور کے بعد ایک عظیم الشان مدرسہ بن گیا۔

مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ بھی بغرض حصول تعلیم حضرت امروہیؒ کے پاس مراد آباد آگئے اور یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ مراد آباد آنے سے پہلے مولانا پھلاودیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے بھی فیض تعلیم حاصل کیا۔ غالباً وہیں سے حضرت امروہیؒ کو حضرت پھلاودیؒ سے تعلق ہوا جو بڑھتا رہا اور امروہہ میں آکر وہ تعلق اور زیادہ ہوا۔ رات دن حضرت امروہیؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ نہ صرف حضرت کے شاگرد تھے بلکہ ایک دوست اور مونس بھی تھے۔

اس مدرسہ کے پہلے جلسہ میں جو چندے کے لئے منعقد کیا گیا تھا ایک ''بہشتی'' نے سب سے پہلے چندہ دیا جو چار آنے یا آٹھ آنے کا تھا۔ اس کو رسالہ ''البلاغ''، بمبئی کے تعلیمی نمبر میں ایک مقالہ میں ظاہر کیا گیا ہے جس میں مدرسہ کی مختصر روداد آگئی ہے۔

قاسم العلوم والمعارف مولانا نانوتویؒ کے وصال کے بعد مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سندیلوی ثم امروہیؒ بھی دیوبند سے مراد آباد چلے آئے اور حضرت محدث امروہیؒ سے ۱۳۰۱ھ میں تعلیم مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

حضرت نانوتویؒ کے وصال کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سالانہ امتحان کے لئے ممتحن ہو کر مراد آباد تشریف لائے اور اپنے تأثرات جو اس مدرسہ کو دیکھ کر پیدا ہوئے تھے ان کو قلم بند فرمایا۔ یہ تأثرات مدرسہ کی پہلی یا دوسری روداد میں درج ہیں۔ اگلے سال مولانا سید احمد دہلویؒ بحیثیت ممتحن سالانہ مراد آباد تشریف لائے اور امتحان لے کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے جو معائنہ لکھا اس کے

ایک جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ مراد آباد حضرات مدرسین کی برکت سے دار العلوم بن گیا ہے اس شہر مراد آباد میں علم دین کی اس قدر رونقیں ہیں کہ وہ دہلی میں نہیں پائی جاتیں۔

شوال ۱۳۰۳ھ موافق جولائی ۱۸۸۶ء تک حضرت محدث امروہیؒ مدرسہ شاہی مراد آباد کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد وہاں کے بعض ممبران کی باتوں سے ناراض ہو کر استعفاد ے دیا۔

میرٹھ وغیرہ سے آپ کے پاس پیغام آئے کہ وہاں بھی کسی مدرسہ کو اپنے فیض سے سرفراز فرما دیں لیکن حضرت امروہیؒ نے قبول نہ فرمایا اور نہ کسی مدرسہ میں اپنے تقرر کی درخواست دی۔

حضرت امروہیؒ کے بعد مختلف اوقات میں علاوہ حضرت مولانا عبد العلی[1] قاسمیؒ کے متعدد صدر مدرس ہوئے جن میں سے مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب مفسر امروہیؒ اور مولانا محمود حسن صاحب سہسوانیؒ براہِ راست حضرت امروہیؒ کے تلامذہ میں تھے۔ (ماخوذ: از روداد مدرسہ شاہی)

خورجہ، دہلی اور مراد آباد سے متعلق امیر الروایات کی حکایات:

(۱) مولوی امیر شاہ خاں صاحب مرحوم ایک طویل واقعہ کی حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اب پھر قصہ سنو! مولوی احمد حسن صاحب امروہیؒ اُس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے۔ مولانا نانوتویؒ بھی خورجہ میں تشریف لے آئے۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا۔ (امیر الروایات ص۴۲، مطبوعہ محبوب المطابع، دہلی)۔

(۲) ''ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ خورجہ تشریف لائے اور مولوی عبد الرحمٰن خاں خورجویؒ کے مکان پر ٹھیرے، سردی کا موسم تھا اور چھت کے اوپر چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں اور مولانا دھوپ میں ٹوپی اتارے ہوئے ایک چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور مولوی احمد حسن صاحب مولانا کی پائتی بیٹھے ہوئے

---

[1] مولانا عبد العلی صاحب فریدیؒ عبد اللہ پور ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ قاسم العلوم والمعارفؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے بھی اکتساب علم کیا تھا۔ دار العلوم دیو بند، مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدر مدرس رہے۔ آخر میں مدرسہ عبد الرب دہلی میں تا حیات درس دیا ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا۔ (محب الحق)

تھے۔(امیر الروایات ص ۹۶)

(۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ ''مدرسہ عبدالرب'' پہلے امام کی گلی کی طرف تھا اور اس میں مولوی احمد حسن صاحب امروہیؒ و مولوی فخر الحسنؒ صاحب گنگوہی مدرس تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اُس زمانہ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ مولوی احمد حسن اور مولوی فخر الحسن صاحبان کی وجہ سے اکثر مدرسہ میں سویا کرتے تھے۔(امیر الروایات ص ۲۵)

(۴) جناب خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحبؒ مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے۔ مولانا نانا نوتویؒ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحبؒ ہر سال جا کر امتحان لیا کرتے تھے۔ (امیر الروایات ص ۷)

مدرسہ شاہی سے علیحدگی اور حضرت محدث امروہیؒ کا اضطراب:

مدرسہ شاہی سے مستعفی ہونے پر حضرت محدث امروہیؒ کو جو قلق اضطراب اور بیچینی ہوئی ہے وہ احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا آپ کی بیچینی مکتوب کے ایک ایک لفظ سے آشکارا ہوتی ہے خصوصاً حضرت نانوتویؒ کی یادگار کی ابتری سوہان روح بنی ہوئی ہے اور ساتھ ہی مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کی جدائی بھی مضطرب کر رہی ہے آپ دونوں کی یکجائی تقریباً بارہ سال رہی اس جدائی کا ذکر مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۳۹ میں تحریر کرتے ہیں۔

جامع کمالات عزیزم حافظ حاجی عبدالغنی صاحب اوصلکم اللہ الیٰ غایت المراد السلام علیکم ورحمتہ اللہ خط مرسلہ پہنچا، یاد یکجائی دوازدہ سالہ طبیعت کو وہ رنج ہوا کہ دل تھام تھام کر خط پڑھا گیا۔

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حُقْبَةً☆ مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تفرَّقْنَا كَأَنّي وَمَالِكًا☆ لِطُوْلِ اِجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً معاً [1]

ترجمہ: ہم دونوں مدت مدید سے جذیمہ کے دو ہم نشینوں کے مانند تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پس جب ہم دونوں جدا ہوئے تو گویا میں نے اور مالک نے باوجود ایک طویل مدت ساتھ رہنے کے ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری۔(فریدی)

اے قادرِ برتر یہ تیری ہی قدرتِ کاملہ ہے کہ احمد حسن و حافظ عبدالغنی اور مولوی خادم حسن علیحدہ ہو جاویں۔ یا جامع المتفرقین! وہ سبب ظاہر فرما جو ہر سہ یکجا ہو بیٹھیں ع

''تابِ زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما''

واللہ ترکِ روزگار کا کوئی صدمہ نہیں۔ البتہ مفارقت گراں ہے۔ اور بخیال یادگارِ مولانا علیہ الرحمۃ مدرسہ کی ابتری ناگوار۔ اہلِ مدرسہ نے مولانا رشید احمد صاحب اور حضراتِ دیوبند کی خدماتِ عالیہ میں خدا جانے کیا بدگوئیاں کی ہیں کہ اُن صاحبوں نے بھی مہتممانِ مدرسہ کے مشورے کے ساتھ اتفاق فرمایا۔ گو تاویل خیر کرتا ہوں کہ اہلِ مدرسہ کے فسادِ درونی پر اطلاع پا کر بہ مجبوری ہم لوگوں کی علیحدگی پسند فرمائی ہے۔ مگر بخیالِ کشیدگیٔ خاطر اُن حضرات کے۔ خود اگر جا کر پوری کیفیت عرض کرتا ہوں تو شاید طمع روزگار پر محمول ہوتا ہے۔ تم اگر مناسب جانو تو چند روز کے لئے (گنگوہ) چلے جاؤ اور تھوڑا تھوڑا حال موقع موقع پر عرض کرو۔ مولوی خادم حسن صاحب کو بھی علیحدہ کر دیا۔ ۲۵ نفر طلبہ نام خارج کرا کر امروہہ آ گئے ناچار سبق شروع کرا دئے۔ نو سبق شروع ہو گئے ہیں۔ اہلِ شہر مجھ کو تیس روپیہ ماہوار پر مدرس رکھنا چاہتے ہیں۔ چندہ خاص کر لیا ہے۔ شاید قبول کر لوں۔ جس طرح ہو سکے تم بھی آ جاؤ۔ اب میں بفضلہٖ تعالیٰ بالکل اچھے ہوں[1]...... ۹ر ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ دوشنبہ

حضرت محدث امروہیؒ نے ان (طلباء موجودین) کو اپنے مکان پر درس دینا شروع کر دیا تھا اہلِ شہر کے مشورہ کے بعد پھر جامع مسجد امروہہ میں تشریف لے گئے۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۴۰ میں لکھتے ہیں:

''میں اس ماہ ذی قعدہ کی ۱۴ تاریخ سے تیس روپے ماہوار تنخواہ پر اور وہ بھی شہر کے خاص آدمیوں کے چندے سے جامع مسجد (امروہہ) میں مدرس مقرر ہو گیا ہوں گو ظاہراً صورتِ اطمینان ہے (لیکن) میرا یہ تعلق و تقرر اکثر کو گراں گزرا ہے اور اُن

۱؎ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدی (محبت الحق)

کے حسد نے اُن کو تخریب مدرسہ پرآمادہ کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ بجز ناکامی کچھ بھی ان حاسدین کے ہاتھ نہ آئے گا۔ اور ذلیل ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ مہتمان مدرسہ، مدرسہ کو ترقی دیکر ارادہ رکھتے ہیں کہ آپ کا اور مولوی خادم حسن صاحب کا بھی تقرر کریں لیکن ابھی اس کام کے لئے چندہ فراہم نہیں ہوا ہے۔ خدا کرے کہ اپنے ارادے کے مطابق وہ آپ لوگوں کو جلد بُلائیں۔ طلبہ چونکہ بہت ہیں۔ اگر آپ بنامِ خدا (امروہہ) تشریف لے آئیں، عین مصلحت ہے۔ مولوی خادم حسن صاحب چار دن سے میرے پاس تشریف رکھتے ہیں۔ مولانا (گنگوہی) کی خدمت میں آپ کے مشورے کے مطابق عریضہ لکھوں گا۔[1]''

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی نشاۃ ثانیہ: حضرت محدث امروہیؒ ماہ رمضان ۱۳۰۲ھ[2] میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے مستعفی ہو چکے تھے۔ اب وہ اپنے وطن عزیز میں تشریف لے آئے اور یہاں پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی نشاۃ ثانیہ کی۔ یہ مدرسہ بنیادی حیثیت سے حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کا قائم کردہ ہے۔ انھیں کے ایماء پر اس مدرسہ کی داغ بیل پڑی تھی۔ شمالی ہند کے جہاں اور بہت سے مدارس اسلامیہ حضرت قاسم العلومؒ کی یادگار ہیں وہاں یہ مدرسہ بھی انہیں کی یادگار اور ان کے دریائے فیض کی ایک نہر ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی حیات میں اور ان کی وفات کے کچھ سال بعد تک یہ مدرسہ متعدد محلوں میں مختلف ناموں (تاج المدارس) سے ابتدائی و متوسط حالت میں چل رہا تھا۔ آپ نے اس کا مختصر نام ''مدرسہ اسلامیہ امروہہ'' رکھا۔ حضرت امروہیؒ نے مرادآباد سے آکر جامع مسجد امروہہ میں اس کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقہ پر قائم کیا۔ از سرنو اس کی بنیادوں کو مضبوط کر کے اس میں تمام علوم وفنون کی تعلیم جاری کی پہلے ہی سال اس مدرسہ کی شہرت حضرت محدث امروہیؒ کی شخصیت کی بنا پر دور ونزدیک ہوگئی۔ کچھ طلباء ذی استعداد تو مرادآباد سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اس کے بعد مستقبل قریب ہی میں تشنگان علوم نبویہ شد رحال کر کے علاوہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے کابل، تاشقند، سمرقند، بخارا

وغیرہ کے تشنگانِ علوم امروہہ آکر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور اپنی تشنگی کو دور کیا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ بھی مدرسہ عالیہ دیوبند میں داخلہ لینے والے بعض طلبہ سے یہ فرمادیتے تھے کہ تم میر احمد حسن امروہی کے پاس امروہہ جاؤ وہاں تمہیں تشفی بخش جواب ملیں گے۔ بہت سے طلبہ اس طرح بھی دارالعلوم دیوبند سے چل کر مدرسہ امروہہ میں داخل ہوئے۔

مدرسہ کی معنوی تشکیل جدید کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے اس کی ضروری عمارتوں کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی۔ اپنی اور اپنے رفقاء کی کوششوں سے جامع مسجد امروہہ کی تعمیر میں اضافہ کیا اور اس کو پُر رونق وشاندار کردیا۔ جامع مسجد کے جنوبی وشمالی گوشوں میں پانباڑی تالاب کے کنارے خوبصورت اور ہوادار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کے مشرق میں دارالحدیث بنوائی، دارالحدیث کے آس پاس کئی درسگاہیں رکھیں، مدرسین وطلبہ کے قیام کے لئے کچھ حجرے بالائی حصے میں تعمیر کرائے۔ غرض کہ مدرسہ کو گلزار کردیا۔

مولانا ظہور علی صاحب بچھرایونیؒ جو کہ اس مدرسہ کے فرزندانِ قدیم میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم لوگ حضرت مولاناؒ کے ہمراہ مرادآباد سے امروہہ آئے ہیں تو جس جگہ دارالحدیث ہے وہاں افتادہ زمین تھی۔ اس زمین میں ہم ترکاری بودیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا امروہیؒ نے مدرسہ کی ظاہری وباطنی تعمیر میں اپنی تمام تدابیر اور صلاحیتیں صرف فرمائیں۔ کئی سال تک تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مدرسہ کی مالی حالت مضبوط کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد فرمائی۔

آپ کی علمی وجاہت، روحانی تاثیر اور اخلاص وللّٰہیت کی برکت تھی کہ مختلف طبقات کے ذی اثر اشخاص آپ کی اس علمی وتبلیغی تحریک میں جان ودل سے شریک ہوگئے تھے۔

شاہ بہاؤالدین صاحب نقشبندیؒ، نواب وقارالملک مولوی مشتاق حسین مرحوم، منصف امتیاز علی مرحوم محلہ ملانہ کے باثر حضرات اور ہر ہر محلے اور برادری کے ممتاز ودیندار غریب وامیر اشخاص نے اس کارِ خیر میں خوب خوب حصہ لیا اور مدرسہ کی ترقی واستحکام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کو جس طرح عوامی چندہ کے اصول پر قائم فرمایا تھا اور جن جن طریقوں پر ان کے قائم کردہ مدارس چل رہے تھے۔ بعینہ اسی طرز پر حضرت مولانا امروہی نے

اس مدرسہ امروہہ کو چلایا۔ احقر نے وہ رسیدیں دیکھی ہیں جن پر خود حضرت والا کے دستخط وصولیابی کے خانے میں ثبت ہیں اور جن کو خود شہر میں اپنے رفقاء کے ساتھ چل پھر کر پر کیا ہے۔

ابتداء میں خود ہی حضرت مولاناؒ صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہیں خود ہی مہتمم و منتظم ہیں خود ہی چندہ وصول کر رہے ہیں اور خود ہی کتابوں کی فراہمی، مدرسین کے تقرر اور طلبہ کے داخلے کا انتظام فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اشاعت دین کی جو تڑپ رکھی تھی اسی تڑپ کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے استاذ معظم حضرت نانوتویؒ کی تحریک تعلیم دین و تبلیغ احکام شرع متین کو چلانے کے لئے انتہائی کوششیں کیں۔ جن کا آج پورا پورا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

امروہہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے اس میں بڑے بڑے مشائخ، علماء، اطباء اور ادباء غرض کہ ہر فن کے ماہرین پیدا ہوئے۔ یہاں پر ہر زمانہ میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہاں ''معزالدین کیقبادؒ'' کے عہد میں سب سے پہلا عربی ''مدرسہ معزیہ'' کے نام سے قائم ہوا تھا۔ جو مدتوں قائم رہا۔ یہاں کی خانقاہوں میں علم و عرفان کی بارشیں ہوتی تھیں۔ اکبری دور کے مشہور میر عدل مولانا سید محمدؒ اسی سرزمین کے باشندے تھے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونیؒ، ''صاحب منتخب التواریخ'' انہیں مولانا سید محمد میر عدلؒ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے امروہہ آئے تھے۔ ہندوستان کے آخری دور کے مشہور محدث حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ نے اسی سرزمین کے ایک اہل دل محدث و قاری حضرت مولانا قاری امام الدین نخشبیؒ (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ) سے تجوید کی سند حاصل کی تھی۔ بخاری شریف کے اٹھارہ پارے پڑھے تھے۔ بعدہٗ وہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے تھے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ رحمانیہ)

اسی مردم خیز سرزمین پر جس کی تاریخی حیثیت کی تفصیل کا موقع نہیں ۱۸۵۷ء سے پہلے مسجدوں، گھر کی بیٹھکوں اور محلہ کی سہ دریوں میں بہت سے انفرادی مکاتب موجود تھے۔ جن میں بہترین ماہر فن ہر علم و فن کی تعلیم دیا کرتے تھے لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد اس علمی شہر کی درسی محفلیں خاموش ہوگئی تھیں۔ حدیث و تفسیر اور فقہ کے وہ چرچے نہیں رہے تھے، معقولات اور جملہ فنون کی تحصیل کا کسی کسی کے اندر ذوق باقی تھا غرض کہ عربی تعلیم خصوصاً علم دین کا فقدان نظر آتا تھا۔

یہ حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ اور ان کے ممتاز شاگرد کا صدقہ ہے کہ امروہہ کی روایات قدیمہ دوبارہ زندہ ہوگئی اور ہند و بیرون ہند میں اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

مدرسہ کے اساتذہ: حضرت محدث امروہیؒ کے علاوہ جو مدرسہ کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے اور جن کی علمی شہرت کی وجہ سے مدرسہ بام عروج پر گامزن ہوا تھا دیگر باکمال اور متبحر اساتذہ اس مدرسہ میں وقتاً فوقتاً درس دیتے رہے۔ چند کے اسماء پیش کرتا ہوں:

(۱) مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی مفسر امروہیؒ جو بعد میں آپ کے جانشین ہوئے۔

(۲) مولانا حافظ شاہ سید عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ جو علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے اور ہر علم و فن میں خصوصاً علم ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تقریباً پندرہ مقامے "مقامات حریری" کے ان کو از بر تھے۔

(۳) مولانا نور الزماں خاں صاحب پنجابیؒ آپ صرف ونحو کے بہترین ماہر تھے۔ بعد میں ان پر درویشی کا غلبہ ہوگیا تھا۔ کالا باغ پنجاب کے مشہور صاحب سلسلہ بزرگ گزرے ہیں۔

(۴) مولانا سید رضا حسن صاحبؒ برادرزادہ و داماد حضرت امروہیؒ تمام علوم خصوصاً صرف ونحو میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ (۵) مولانا محمد امین الدین خاں صاحب شاہ آبادی ثم امروہیؒ معقولات میں خاص طور پر اپنے استاذ حضرت امروہیؒ کا نمونہ تھے۔ بعد میں حکیم اجمل خاں کے طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور "کلیاتِ نفیسی" کا ترجمہ کیا اور آخر میں وائس پرنسپل ہوگئے تھے۔ (٦) مولانا خادم حسین صاحب مراد آبادی ثم امروہیؒ عربی و فارسی کے بہترین ادیب تھے بعد میں مدرسہ عباسیہ بچھرایوں کے صدر مدرس ہوگئے تھے۔

(۷) مولانا ظفریاب خاں صاحب بجنوریؒ بہترین ادیب تھے۔ فارسی ادبیات پڑھاتے تھے کثیر التعداد طلبہ نے فارسی میں آپ کے درس سے کمال حاصل کیا۔ (۸) امروہہ کے مشہور ریاضی داں منشی چاند خاں صاحب مرحوم ریاضی پڑھاتے تھے۔ مدرس حفظ: مولانا حافظ محمد حسین صدیقی امروہیؒ۔

استاذ القراء مولانا حافظ قاری ضیاء الدین صاحب الٰہ آبادیؒ: مدرسہ کے قیام کے کچھ سال بعد ہندوستان کے مشہور قاری و مجود مولانا حافظ قاری ضیاء الدین صاحب الٰہ آبادیؒ قرأت و

تجوید کی تکمیل کے بعد امروہہ تشریف لے آئے اور یہاں دوران ملازمت حضرت محدث امروہیؒ اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ سے علوم عربیہ کی تحصیل و تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ مولانا حافظ قاری سید محمد میاں صاحب مدظلہٗ صاحبزادہ حضرت محدث امروہیؒ کو آپ نے تجوید کے ساتھ قرآن شریف حفظ کرایا اور دیگر طلباء کو بھی فیض پہنچایا۔ مکتوبات سید العلماء میں مرقوم ہے ''مدرسہ میں ایک قاری صاحب بعد انتقال حافظ محمد حسین صاحب مدرس مقرر ہوئے، الٰہ آباد سے تشریف لائے ہیں۔ میاں سید محمد کو انھیں کے سپرد کر دیا ہے۔ قرآن شریف حفظ کرتا ہے۔ سورۂ اذا جاء تک حفظ کر چکا ہے۔ قاری صاحبؒ کے ذریعہ یہاں پر علم تجوید کا بڑا چرچا ہوا اور بہت سے مقامی و بیرونی طلبہ نے ان سے اپنا قرآن درست کیا۔ آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: (۱) حافظ قاری مولانا محمد عرف بنے میاںؒ صاحبزادہ حضرت محدث امروہیؒ (۲) شیخ القراء حافظ محمد نذر نابینا امروہیؒ استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ (۳) حافظ قاری حکیم محمد عبدالرحیم خاں امروہی ثم پاکستانیؒ (۴) حافظ قاری محمد عبداللہ مرادآبادیؒ مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (۵) قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ مدرس تجوید مظاہر علوم سہارنپور (۶) قاری محمد یامینؒ (۷) قاری حمید الدین سنبھلیؒ (۸) قاری عنایت اللہ اعظم گڑھیؒ۔

تعلیم طب : حضرت محدث امروہیؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ علم الادیان کے ساتھ ساتھ علم الابدان کے اسباق بھی پڑھاتے تھے۔ کافی لوگوں نے آپ سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپؒ نے طب کا پورا نصاب کتب خانہ میں جمع کر لیا تھا اور ایک ایک کتاب کے کئی کئی نسخے مہیا کئے تھے۔ درس میں خاص طور پر وہ طلبہ شریک ہوتے تھے جو اپنی زندگی کسی مدرسہ میں گزار دینے کی ہمت نہ رکھتے تھے یا جن کے والدین نے غالباً یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ ان کے بچے ''تعلیمی تحریک'' کا رکن بن کر قلیل تنخواہوں پر اکتفاء کریں۔ علاوہ ازیں امروہہ اس زمانہ میں طبی حیثیت سے بھی اپنی مرکزیت رکھتا تھا اور اس حیثیت سے بھی امروہہ عروج پر تھا۔ حکیم سید احمد سعید صاحبؒ افسر الاطباء حیدرآباد دکن، حکیم سید علی حسن صاحبؒ، حکیم سید ابن حسن صاحبؒ، حکیم عبدالسلام صاحبؒ، حکیم عبدالقیوم صاحبؒ، حکیم حکمت اللہ صاحبؒ اور امروہہ کے دیگر حاذق اطباء امروہہ و بیرونِ امروہہ میں شہرت رکھتے تھے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امروہہ میں طب کی اہمیت عام ذہنوں پر طاری تھی۔ حضرت مولانا کی حکمت مآب طبیعت نے ایسے موقع پر

مناسب جانا کہ ذہنوں کی طب پسندی سے کام لیکر ان کو حدیث وتفسیر اور فقہ سے بھی آشنا کردیا جائے۔ چنانچہ امروہہ کے ذہین و ذکی استعداد طلباء کی بڑی تعداد ایسی پیدا ہوئی جنھوں نے درس نظامی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ طب میں بھی کمال حاصل کیا۔ ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: (۱) استاذ الاطباء مولانا حکیم فرید احمد صاحب؃ عباسی امروہی مدظلہ (۲) مولانا حکیم مختار احمد صاحب صدیقی مدظلہ امروہی ثم بریلوی؃ (۳) مولانا حکیم اسرار الحق صاحب صدیقی امروہی مرحوم (۴) مولانا حکیم سید محمود الحسن صاحب امروہی برادر زادہ حضرت محدث امروہیؒ (۵) مولانا حکیم ظہور الحق صاحب صدیقی امروہیؒ (۶) مولانا حکیم سید حامد حسن صاحب امروہیؒ افسر الاطباء حیدرآباد دکن (برادر علاتی حضرت مولانا امروہیؒ)

مدرسہ کے حق میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی دعاء: مدرسہ کے قیام کے دو سال بعد شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا شاہ سید عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

> "از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ بخدمت سراپا برکت عزیزم مولوی عبدالغنی صاحب۔ مدرس مدرسہ امروہہ رزقہ اللہ تعالیٰ محبتہٗ ومعرفتہٗ بعد سلام مسنون ودعائے خیر وبرکت کے واضح رائے سعادت انتمائے ہو کہ آپ کا نامہ مرقومہ ۳۰؍ شعبان ۱۳۰۵ھ قدسی وارد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اپنے فضل وکرم سے آپ کے مدرسہ کی مدد واعانت کرتا رہے گا اور سب سرمایوں سے باقی اور لازوال سرمایہ توکل ہے۔ جس چیز کا یا جس کا اللہ جل جلالہٗ خود وکیل ہوا تو اس کا کیا کہنا ہے۔ آپ لوگ نظر حضرت حق کی رحمت پر رکھ کر اس کے بندوں کو باخلاص تعلیم وتلقین فرمائیے۔ میں بھی دعاء کرتا ہوں آپ بھی دعاء فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو مستطیع فرماکر شرف زیارت حرمین شریفین کے مشرف فرماوے۔"
>
> السلام علیکم واعلیٰ من لیدیکم

۱؎ جب یہ مضمون لکھا گیا تھا [illegible] فرید احمد عباسی بقید حیات تھے۔ آپ کی وفات کی تاریخ تلاش بسیار کے باوجود معلوم نہ ہو سکی [illegible]
[illegible]

۲۱ر ذی قعدہ ۱۳۰۵ھ قدسی (نقل از ذخیرۂ مکتوبات اکابر در کتب خانہ پھلاودہ)

حضرت حاجی صاحبؒ کا پیغام حضرت محدث امروہیؒ کے نام: حاجی محبوب خاں صاحب امروہوی مرحوم نے مجھ سے کئی مرتبہ یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں حجِ بیت اللہ کے لئے جانے لگا تو حضرت مولانا امروہیؒ نے فرمایا کہ ''حضرت حاجی صاحب سے میرا سلام عرض کرنا اور یہ کہہ دینا کہ دل حاضری کو بہت چاہتا ہے لیکن کار ہائے مدرسہ فرصت نہیں دیتے۔''

حاجی محبوب خاں صاحب نے مکہ معظمہ پہنونچ کر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ان کے ایک مخلص مرید و خلیفہ کا یہ سلام و کلام پیش کر دیا۔ اس کے جواب میں حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ہماری یہ ٹوپی ان کو دے دینا اور یہ کہنا جو کام تم امروہہ میں رہ کر انجام دے رہے ہو وہ یہاں کی حاضری سے بہتر ہے۔''

دارالعلوم دیوبند میں تقرر: چونکہ دارالعلوم کی پرانی رودادیں میرے سامنے نہیں اس لئے سن تو نہیں لکھ سکتا[1] لیکن قیام مدرسہ امروہہ کے چند سال بعد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے حضرت محدث امروہیؒ کو دارالعلوم دیوبند بلا لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو اور آپ کو برابر درجہ پر رکھا گیا۔ البتہ حضرت مولانا امروہیؒ کی تنخواہ قدرے زیادہ رکھی گئی۔ حضرت مولانا امروہیؒ وہاں پر غالباً دو ماہ سے زیادہ نہیں رہے۔ اس زمانہ میں مولانا قمر الدین صاحب سبنسپوریؒ جنھوں نے سند فراغت امروہہ سے حاصل کی ہے، دارالعلوم میں تعلیم پا رہے تھے۔ ان کی زبانی دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا امروہیؒ کے درس کا حال سنیئے۔ بیضاوی، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ کتب حضرت مولانا امروہیؒ کے سپرد کی گئیں۔ سب سے پہلے صدرا پڑھنے والوں کو آواز دی گئی۔ اس کتاب میں تین پنجابی طالب علم شامل تھے جن میں ایک مولوی نور الزماں پنجابی دوسرے مولوی عبد الحلیم، تیسرے ایک اور ذی استعداد پنجابی طالب علم تھے جن کا نام یاد نہیں رہا۔

تینوں طالب علم تمام کتابیں ختم کر کے حدیث پڑھنے دیوبند آئے تھے۔ جب حضرت مولانا امروہیؒ کی آمد ہوئی تو ان طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مولانا امروہی کی معقولات میں بڑی شہرت

---

[1] حضرت محدث امروہیؒ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس [illegible] ۱۳[illegible] ۱۹۰۰ء [illegible] بحوالہ مکتوبات سید العلماء [illegible] (محب الحق)

سنی ہے ان کو آزمانا چاہئے (غالباً اسی غرض سے صدرا میں شامل ہوئے)۔ آواز دینے پر یہ تینوں طالب علم حاضر ہو گئے۔ مولانا امروہیؒ نے فرمایا اچھا شروع کیجئے۔ ایک نے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ اعراب میں غلطی ہوگئی۔ مولانا امروہیؒ نے خاص انداز میں فرمایا، مولوی صاحب سنبھل کر پڑھیئے! یہ سننا تھا کہ طالب علم کی روح فنا ہوگئی۔ پھر خود بتایا یوں پڑھئے۔ اس کے بعد مولانا امروہیؒ نے فرمایا مولوی صاحب میں تقریر کرتا ہوں۔ غور سے سن لینا۔ چنانچہ مولانا امروہیؒ نے تقریر فرمائی۔ جب تقریر ختم ہوگئی تو فرمایا اب ترجمہ کیجئے۔ درمیان ترجمہ میں ایک نے گردن اٹھائی اور کچھ پوچھنا چاہا، فرمایا کچھ پوچھنا ہے؟ طالب علم نے اپنا شبہ پیش کیا فرمایا میں اس کا جواب اپنی تقریر میں دے چکا ہوں، آپ نے غور نہیں کیا۔ پھر دوبارہ تقریر فرمائی تقریر میں اس کے شبہ کا جواب موجود تھا۔ بالآخر معترض صاحب نے شرم کے مارے اپنی گردن جھکالی۔ سبق کے بعد تینوں یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ ''معقولات تو دیوبندیوں کے پاس ہے۔''

مولانا قمرالدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کو دیوبند میں ایک دو ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ مولوی نادر شاہ خاں صاحب وکیل مہتمم مدرسہ امروہہ دیوبند پہنچے۔ ان سے بعض اشخاص نے دریافت کیا کہ کیسے تشریف لائے تو انھوں نے فرمایا کہ ''ایک باغ ہم نے لگایا تھا جب وہ بار آور ہوا تو اس کا باغبان چلا گیا، وہ باغ خراب ہو چلا۔'' مولانا قمرالدین صاحب فرماتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ یہ حضرت مولانا کو لینے آئے ہیں۔ مولوی نادر شاہ خاں صاحب وکیل، حکیم مشتاق احمد صاحب مرحوم[1] سے بھی ملنے گئے اور ان کو بتلایا کہ امروہہ میرا مکان ہے، اس مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔ ان سے بھی یہی بات کہی کہ ہمارا باغ اجڑنے کا اندیشہ ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا ''خاں صاحب آپ پریشان نہ ہوجیئے، آپ کے باغ کا خیال رکھا جائے گا۔'' حکیم صاحب اطمینان دلا کر ممبروں کے پاس گئے۔ سب ممبروں نے اطمینان دلایا کہ مولانا کو امروہہ بھیج دیا جائیگا۔ چنانچہ سب نے مشورہ کر کے طے کیا کہ چونکہ مدرسہ امروہہ کا قائم رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے حضرت مولانا کو امروہہ واپس بھیج دیا جائے۔ مولانا دوبارہ اپنے مدرسہ میں تشریف لے آئے۔ مولوی نورالزماں صاحب بھی کچھ دنوں بعد امروہہ آگئے۔ یہاں پر ان کو کچھ عرصہ کے بعد مدرس بنا دیا گیا۔

---

[1] حکیم مشتاق احمد صاحب مرحوم دیوبندی ۱۲۵۹ھ تا ۱۳۰۵ھ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے شیخ بی ... (محب الحق)

مولانا عبد العلی صاحب فریدی فاروقی میرٹھیؒ کا دارالعلوم دیو بند سے ترک تعلق اور اپنے تقرر کے متعلق مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کو اطلاع دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان سے دارالعلوم کی تدریس کے بارے میں مشورہ بھی کر رہے ہیں۔ مکتوب ۹۶، ۹۷ میں تحریر کرتے ہیں:

''از گنگوہ بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بخدمت عزیزم مولوی محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے میں آج بروز سہ شنبہ مولانا (گنگوہی) مدظلہم کی خدمت سے رخصت ہو کر سہارنپور جاتا ہوں وہاں سے کل ان شاء اللہ تعالیٰ وطن کو روانہ ہو جاؤں گا۔

مولانا مدظلہم تم کو اور تمہارے سب متعلقین کو سلام مسنون فرماتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حفظ صحت مسلمان کو بہت ضروری ہے زیادہ عمر میں بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ محنت شاقہ کر کے اپنے کو ہلاک کر دینا ہے۔ ضرور مشاغل میں کچھ کمی کر دو اور محنت بقدر طاقت رکھو۔ خدمت علم (اور) مشاغل سے زیادہ اہم ہے اور زیادہ مفید۔.................مولوی عبد العلی صاحب نے مدرسہ دیو بند سے علیحدگی اختیار کی دیکھئے کیا نتیجہ ہو اور نزلہ کس عضوِ ضعیف پر گرے[۱]۔ فقط

مکتوب ۹۷ میں لکھتے ہیں:

''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بخدمت جامع کمالات برادرم عزیز مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مکلف ہے.........

دیو بند سے مولوی عبد العلی صاحب نے ترک تعلق کیا۔ چاہتے ہیں کہ میں خدمت مدرسہ دیو بند قبول کروں۔ سابق حالت کے موافق مولوی محمود حسنؒ[۲] صاحب کی میری تنخواہ غالباً مساوی ہو اور دونوں ایک درجہ میں سمجھے جاویں۔ تنخواہ ساٹھ روپئے

۱۔ بحوالہ مکتوبات سید ص ۱۰۰۔ ۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن شیخ دیو بندی مراد ہیں (مرتب تحقیق)

متوقع ہیں۔ مجھ کو حالات سابقہ و لاحقہ پر نظر کر کے ہنوز تردد ہے۔ اور اپنا قیام
دیوبند خالی از خلش نہیں سمجھتا۔ یہ دوسرا خلجان کہ مدرسہ امروہہ کو غالباً بھاری نقصان
پہنچے تم بھی غور کر کے مشورہ دو......[1] فقط

۱۷ر ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ دوشنبہ از امروہہ ضلع مرادآباد (تاریخ مہر کارڈ ۱۹ر مارچ ۱۹۰۰ء)

نودرہ میں درس دیا: دارالعلوم دیوبند میں نودرہ کی کسی درسگاہ میں حضرت محدث امروہی درس دیتے تھے مولانا قمرالدین صاحب بیان کرتے ہیں ''ایک دن ایسا ہوا کہ کچھ طلباء عین اس وقت جبکہ حضرتؒ درس دے رہے تھے۔ آپ کی درسگاہ کے قریب برآمدہ میں بیٹھ کر زور زور سے مذاکرہ کرنے لگے۔ حضرتؒ نے درسگاہ سے باہر نکل کر پُر ہیبت لہجے میں ان کو ڈانٹ بتائی وہ طلباء خائف ہو کر بھاگ گئے اور حضرت شیخ الہندؒ کی درسگاہ میں جا کر پناہ لی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا ''میر صاحب کو غصہ آرہا ہے''اس کے بعد کسی طالب علم کی مجال نہ تھی کہ آپ کی درسگاہ کے قریب کچھ بول سکے۔

مدرسہ امروہہ کی انتظامی امور پر ناراضگی: مدرسہ کے منتظمین خصوصاً نادر شاہ خاں صاحب مہتمم مدرسہ انتظام کے سلسلہ میں کچھ کام کر رہے تھے جو شرعاً حضرت امروہیؒ کے نزدیک درست نہیں تھا منع کرنے کے باوجود اس کام سے رک نہیں رہے تھے۔ اس وجہ سے ناراض ہو کر آپ مرادآباد تشریف لے گئے۔ مدرسہ امروہہ کے اہل شوریٰ منت سماجت کر کے واپس لے آئے اور نادر شاہ خاں صاحب مرحوم کو ان کی ذمہ داری سے سبکدوش کر کے شیخ عبدالکریم مرحوم وکیل کو مہتمم مدرسہ مقرر کیا گیا۔ مکتوب سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ آیا آپ کا قیام مرادآباد میں کہاں رہا۔ مدرسہ شاہی یا کسی اور جگہ۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۱۴۲، ۱۴۶ میں ارقام کرتے ہیں:

''بندۂ نحیف خادم الطلباء احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت جامع کمالات برادر
مکرم مولوی حافظ حاجی محمد عبدالغنی سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے خط
مرسلہ سرمایہ مسرت ہوا...... مدرسہ کے حالات سابقہ سے تنگ آچکا تھا تحمل کرنا

دشوار ہو گیا تھا۔ اور خطرۂ مواخذۂ آخرت نیز باعثِ جانگدازی تھا۔ ناچار بحیلۂ کمی چندہ مراد آباد چلا گیا اور حضرات امروہہ کے اصرار سے اس شرط پر واپس ہوا کہ مدرسہ کی جس حالت نازک نے بندہ کو مدرسہ چھوڑنے پر مجبور کیا ہے ایک ہفتہ میں اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو ان شاء اللہ مدرسہ میں مقیم رہوں گا ورنہ میں شرعاً ترکِ مدرسہ پر مجبور ہوں۔ مجلس شوریٰ نے منشی عبدالکریم وکیل کو مہتمم مقرر کیا۔۔۔۔۔ مہتمم حال اس مرتبہ عدیم الفرصت کے مدرسہ کا کوئی چھوٹا بڑا کام انجام نہیں دے سکتے۔۔۔۔۔ جہاں تک ہو سکا مدرسہ کی خدمات اپنے ذمہ لیں۔ ابھی بہ نسبت سابق زیادہ عدیم الفرصت ہوں۔ اس پر یہ طرّہ کہ مجھے اکثر جا (جلسہ) سے ایسے طور پر طلب کیا جاتا ہے کہ مجبوراً جانا پڑے۔ خطوط و استفتا بازیادہ آتے ہیں۔

چند مرتبہ چاہا عزیز سے ملوں مگر باللہ العظیم معذور ہو کر قاصر رہا۔ ان شاء اللہ ضرور قصد کروں گا۔" (۱۳۲۷ھ موافق ۱۱/اپریل ۱۹۰۹ء)

مکتوب ۱۴۶ میں رقمطراز ہیں:

بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ

"بخدمت جامع کمالات عزیز از جان حاجی حافظ مولوی محمد عبدالغنی صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ وجعلہٗ فی رضاہ

بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے۔۔۔۔۔ خاں صاحب کے عزل کے بعد خدمات مدرسہ نے ایسا گھیرا ہے کہ مہلت ملنا دشوار ہے بلکہ کالمحال ہو گئی ہے۔ وہی مثل ہے کہ ع

اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی   نہ یارے نہ مددگارے

"خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ"

میں ہی مدرس ہوں اور میں ہی مہتمم میں ہی سپاہی (چپراسی) ہوں اور میں ہی محرر۔

۱۔ مکتوبات سید العلماء [illegible]

سب کام کا دیکھنا اور سب کی نگرانی میرے ذمہ ہے۔ مہتمم[1] حال بالکل بے فکر ہیں اور ہمہ غفلت۔ ان وجوہ سے باوجود ارادہ محکم ہنوز ناکام ہوں اور خدا جانے کب تک ناکام رہوں۔ امید کہ مجھے معذور سمجھ کر حسب تحریر خود یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا کرو گے۔ برٹ کعبہ تمام نیاز مند اور میرے جملہ وابستگان بے حد مشتاق ہیں...... ۷؍ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ یک شنبہ از امروہہ (۲۲؍ نومبر ۱۹۰۹ء)

تلامذہ: حضرت محدث امروہیؒ کے درس و تدریس کا سلسلہ مدرسہ قاسم العلوم خورجہ، مدرسہ سنبھل، مدرسہ عبدالرب دہلی، مدرسہ شاہی مراد آباد، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں رہا۔ آپ عرصہ تک علوم اسلامیہ کی اشاعت اور تفسیر و حدیث کے درس میں منہمک رہے۔ آپ علوم قاسمیہ کے امین تھے اور ان کی ترویج و اشاعت میں عمر بھر نمایاں حصہ لیتے رہے۔ علوم قاسمی کی مجسم تصویر تھے۔ بالفاظ دیگر حضرت نانوتویؒ کے مثیل شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کے درس کا فیضان دور دور تک پہنچا اور سیکڑوں تشنگانِ علومِ عالم، فاضل اور ماہرین علم و فضل بن کر آپ کے درس سے نکلے۔ جن سے علوم دینیہ کی اشاعت اور ایمان و عرفان کا رنگ دلوں میں جما۔

حضرت محدث امروہیؒ کے تمام شاگردوں کا علم نہیں ہو سکا۔ خصوصاً مدرسہ سنبھل اور دارالعلوم دیوبند یہاں صرف خورجہ، دہلی، مراد آباد اور امروہہ کے تلامذہ کی فہرست دی جا رہی ہے۔ جن کے اسماء یہ ہیں:

مدرسہ خورجہ: مولانا عبدالرحمٰن خاں صاحب خورجویؒ، مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادیؒ۔

مدرسہ عبدالرب دہلی: مولانا خلیل الرحمٰن صاحب امروہیؒ۔ مدرسہ شاہی مراد آباد: مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی امروہیؒ، قطب الوقت مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ، مولانا محمد یحیٰ صاحب شاہجہانپوریؒ، مولانا محمود حسن صاحب سہوانیؒ، مولانا عبدالحق صاحب پیلی بھیتیؒ، مولانا قاضی عبدالباری صاحب سنبھلی ثم گدھ ملکتیسریؒ، مولانا خادم حسین صاحب مرادآبادی ثم امروہیؒ مولانا حافظ محمد احمد ابن

[1] شیخ عبدالکریم صاحب مرحوم وکیل سے مدرسہ کا انتظام نہیں چل سکا۔ اہل شوریٰ نے حضرت محدث امروہیؒ کے مشورہ کے بعد نادر شاہ [illegible] (مرتب حق)

حضرت نانوتویؒ۔ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ: مولانا سید رضا حسن صاحب امروہیؒ، مولانا حکیم امین الدین خاں صاحب شاہ آبادی ثم امروہیؒ، بابائے طب مولانا حکیم فرید احمد صاحب عباسی امروہیؒ، مولانا سید علی زینبی صاحب امروہیؒ، شفاء الملک مولانا حکیم رشید احمد خاں صاحب امروہیؒ، مولانا حکیم ذکی احمد خاں صاحب امروہیؒ، مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ، مولانا محمد اسماعیل صاحب انصاری امروہیؒ، مولانا انوار الحق صاحب عباسی امروہیؒ، مولانا عبد الغفور صاحب سیوہارویؒ، مولانا سید ظہور علی صاحب بچھرایونیؒ، مولانا قمر الدین صاحب سہنسپوریؒ، مولانا ظہور الحسن صاحب ناظم سہنسپوریؒ، مولانا حکیم ظہور الحق صاحب صدیقی امروہیؒ، مولانا حکیم اسرار الحق صاحب صدیقیؒ، مولانا شاہ سلیمان احمد صاحب صدیقی امروہیؒ، مولانا حکیم سردار احمد خاں امروہیؒ، مولانا محمد فاروق انبیٹھویؒ، مولانا حکیم محمد عمر صاحب شیرکوٹیؒ، مولانا سید بدر الحسن صاحب امروہیؒ، مولانا سید معظم حسنین صاحب امروہیؒ، مولانا شفیق احمد صاحب صدیقی امروہیؒ، استاذ القراء مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ، مولانا ظفریاب خاں صاحب بجنوریؒ، مولانا نور الزماں صاحب پنجابیؒ، مولانا عبد المغنی انصاری امروہیؒ، مولانا حکیم مختار احمد صاحب صدیقی امروہی ثم بریلویؒ، مولانا محمد نعمت اللہ صاحب صدیقی امروہیؒ، مولانا شاہ محمد مخدوم صاحب صدیقی نقشبندی امروہیؒ، مولانا مظہر الحق صاحب چاٹگامیؒ، مولانا حکیم محمد رفیع خاں صاحب امروہیؒ۔ مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوریؒ، مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ، مولانا خان زماں صاحب پشاوریؒ، مولانا فضل حق صاحب سہنسپوریؒ، مولانا حافظ محمد یوسف صاحب انصاری امروہیؒ۔

دار العلوم دیوبند کی رکنیت: مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ کے بعد مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے ۱۳۱۳ھ میں پانچویں مہتمم ہوئے۔ دار العلوم کے سرپرست ہی نہیں بلکہ تمام علماء کے سربراہ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے مشورہ کے بعد حضرت مولانا محدث امروہیؒ کو مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا اور ساتھ ہی ساتھ مولانا قاضی محی الدین فاروقی مرادآبادیؒ، مولانا عبد الحق پرقاضیؒ، شاہ مظہر حسین گنگوہیؒ، حکیم محمد اسماعیل گنگوہیؒ، شاہ سعید احمد انبیٹھویؒ کو بھی اسی سال رکن منتخب کیا گیا۔ حضرت محدث امروہیؒ نے بزرگوں کی اس امانت کا پورا پورا خیال رکھا۔ کبھی بھی اس کے تقدس پہ

حرف نہیں آنے دیا۔ آپ نے ہر آڑے وقت پر سینہ سپر ہو کر دار العلوم کی عظمت کو برقرار رکھا۔ آپ کی رکنیت کی مدت ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۹ھ تک ہے۔ اگر کبھی شوریٰ میں شرکت کا ارادہ نہیں ہوا تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ امروہہ آکر آپ کو دیوبند لے گئے۔ آپ اپنی مجلس شوریٰ کی شرکت وعدم شرکت کی اطلاع مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۴۸، ۱۳۱ میں دیتے ہیں۔

بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم مولوی محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے، مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) آج بروز دوشنبہ غایت کل سہ شنبہ کو دیوبند میں رونق افروز ہوں گے۔ عجب نہیں کہ نواب (محمود علی خاں رئیس) چھتاری بھی تشریف لاویں۔ غالباً مدرسہ کے متعلق جو معاملات پیش ہو رہے ہیں ان کے بارے میں گفتگو ہو اور طرح مصالحت کے باہمی نکالی جاوے۔ مجھ کو بھی پے بہ پے دو خط بھیج کر حافظ محمد احمد صاحب و مولوی محمود حسنؒ صاحب نے طلب فرمایا ہے۔ غالباً کل سہ شنبہ کو روانہ ہو جاؤں۔ عزیزم مولوی عبد الرحمٰن صاحب و عزیزم حاجی غفور الحسن بھی میرے ہمراہ ہوں گے۔ جمعہ تک دیوبند قیام رہے گا۔ تم کو اس لئے اطلاع دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے دیوبند آ جاؤ۔ مولانا کی زیارت سے مشرف ہو جاؤ گے اور میں بھی تمہاری ملاقات سے مسرت اندوز ہو جاؤں گا[2]۔"

بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وجعلہ فی رضاہ۔ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے دیوبند کے مدرسہ کے متعلق ایک جلسہ مجلس شوریٰ کا بروز یک شنبہ قرار پایا ہے۔ جس میں اکثر اہل شوریٰ تشریف لاویں گے۔ مجھ کو بھی طلب فرمایا تھا اور چند خطوط اس بارے میں یکے بعد دیگرے میرے پاس بھیجے۔ میں نے وہ عذرات

شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندی [illegible]

پیش کر دئے تھے جن کے لحاظ سے میری شرکت متوقع نہ تھی۔ اس خیال سے جناب مولوی محمود حسن صاحب خود امروہہ تشریف لے گئے اور کل بروز جمعہ مجھ کو ہمراہ لائے۔ وطن سے مصمم عزم تھا کہ میں پھلاودہ ایک شب کے قیام کے ارادہ سے جاؤں اور عزیزان کو بچشم خود دیکھوں۔ مگر مولوی محمود حسن صاحب و مولوی محمد احمد صاحب حدیث ''وَاِذَا سَمِعْتُم نَبَاءَ بِاَرْضٍ فَلاَ تَدْخُلُوا فِيهَا'' کو حجت لا کر مجھ کو مزید اہتمام کے ساتھ اس ارادہ سے روکتے ہیں۔ چونکہ حجت قوی ہے اور درصورتِ مخالفت اندیشہ معصیت..........

مولوی عبداللہ مراد آبادی میرے ہمراہ ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ مولوی حافظ محمد احمد جناب مولوی محمود حسن صاحب کا سلام قبول ہو۔[1]

۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ از دیوبند ضلع سہارنپور دولت خانہ حضرت (نانوتویؒ)

قاسم العلوم والمعارف کی محبت: حضرت محدث امروہیؒ کو اپنے استاذ معظم حضرت نانوتویؒ سے محبت و عشق فنائیت کے درجہ میں تھی۔ مکتوبات سید العلماء کے مطالعہ سے حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ آپ کو صرف اپنے استاذ سے ہی نہیں بلکہ ان کے اہلِ خانہ، اولاد و احفاد سے بھی اُسی درجہ میں محبت تھی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ولادت ہوئی تو اماں صاحبہ کو مبارک باد دینے کے لئے دیوبند پہنچے۔ یہاں پر بھی کچھ مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۱۵، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۵۱، ۶۸ میں تحریر کرتے ہیں:

''از سنبھل عزیزم حافظ عبدالغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون واضح ہو ....مولانا (قاسم العلوم والمعارف) کو مراد آباد سے روانہ کیا۔ بروز چہار شنبہ تن نیم جاں کو سنبھل پہنچایا۔ نہ پوچھو اب کی مرتبہ اپنا کیا حال ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ رحم فرماوے اور کہیں مولانا سے پھر ملا دے۔''[2]

[illegible]

''اعزی مولوی حاجی حافظ عبدالغنی صاحب زاداللہ علماً علیٰ علمٍ وفضلاً وعلیٰ فضل۔
سلام مسنون.......... باوجود اطلاع ترقی مرض (حضرت) مولانا (قاسم العلوم والمعارف) مدظلہم العالی کے در دولت پر (دیوبند) نہیں جا سکا ہوں۔عم بزرگوار کے افاقہ کے انتظار میں امروز کو فردا پر اور فردا کو فردائے دیگر پر ٹال رہا ہوں۔ ان شاء اللہ جوں ہی کہ جناب چچا صاحب کے مرض میں افاقہ دیکھوں گا منزل مقصود (دیوبند) کے راستہ پر روانہ ہو جاؤں گا۔'' [1]

''باسمہ سبحانہ وتعالیٰ مخلصم میاں عبدالحکیم (سلمہٗ ربہٗ) وعزیزم حافظ عبدالغنی سلمہٗ و ربہٗ پس از ماوجب واضح باد۔مولانا (حضرت نانوتوی) کی ترقی مرض کی اطلاع پا کر اُفتاں وخیزاں بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۳/رمضان دیوبند پہنچا۔مولانا اسی روز دیوبند تشریف لا چکے تھے۔شرف ملاقات حاصل ہو گیا۔ بفضلہٖ مولانا کو بخیریت پایا۔البتہ شدت دورہ سے ضعف بہت ہو گیا ہے۔چار روز تک گھر میں سے باہر نہ آ سکے لیکن اب روز بروز آرام ہے۔ (البتہ) سرفہ خفیف باقی ہے (اور) کوئی شکایت باقی نہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔عید مولوی صاحب کی دیوبند میں ہوگی۔ آگے اللہ جانے کب تک قیام رہے۔'' [2]

۲۷/رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ از دیوبند ضلع سہارنپور احقر الزمن احمد حسن حسینی غفرلہٗ

''عزیزم حافظ حاجی مولوی عبدالغنی صاحب ....احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بعد از سلام مسنون وشوق دیدار لکھتا ہے..........حضرت مولانا (محمد قاسم) مدظلہم کی کیفیت مزاج کی خوش خبری نے جس کو انھوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔میرے دامان جاں میں شادمانیوں کو بکھیر دیا۔الحمدللہ ثم الحمدللہ البتہ حضرت قبلہ و کعبہ کے بقیہ مرض نیز ان کے آشوب چشم کی طرف سے دل میں تشویش ہے۔اللہ تعالیٰ گوش

۱،۲۔ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ [illegible] (محب الحق)

مشتاقان میں جلد مژدۂ عافیت تامہ پہنچائے۔ آمین[1]

''از دیو بند بندۂ نحیف خادم الطلباء احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیز از جان مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے کہ میں ایک اشد ضرورت سے مراد آباد تک حسب اصرار اہل مدرسہ (امروہہ) آیا۔ مگر چونکہ وقت انتقال ہمشیرہ رقیہ (سے) اس دم تک دیو بند حاضر ہونے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور جنابہ اماں صاحبہ وغیرہا کی طرف سے خطرۂ شکایت قوی تھا۔ اس لئے وقت کو غنیمت سمجھ کر مراد آباد سے دیو بند آیا۔ جمعہ کے روز آیا تھا۔ کل روز دوشنبہ صبحدم ان شاء اللہ واپس جاؤں گا[2]........ صفر ۱۳۱۴ھ

''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بعد سلام مسنون ودعائے ترقیات تحریر کرتا ہے........ رب کریم نے میرے عزیز حافظ محمد احمد (ابن حضرت قاسم العلوم والمعارف) کو فرزند[3] عطاء کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو نوازے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اماں صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ شاید ماہ رمضان میں یہ آرزو پوری ہو۔ اگر میں نے دیو بند کا ارادہ کیا تو ضرور آنعزیز کی خدمت میں بھی (پھلاودہ) پہنچوں گا۔ اطمینان خاطر رکھیں[4]۔ ۱۳ رشعبان ۱۳۱۵ھ بروز دوشنبہ

ایک واقعہ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی دادی صاحبہ کا امروہہ تشریف آوری پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت محدث امروہیؒ کس شان سے اپنے استاذ کی اہلیہ محترمہ کو اسٹیشن امروہہ سے اپنے گھر تک لاتے ہیں۔ کہاروں کے ساتھ خود بھی پالکی اٹھانے والوں میں ہیں۔ جو اس دور میں عبرت ونصیحت سے کم نہیں ہے۔ پڑھیں غور وفکر کریں کہ یہی احترام تھا جو حضرت محدث امروہیؒ کو علم کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا تھا۔ جتنے لوگ بھی علم کی بلندیوں پر گامزن ہوئے ہیں ان کا یہی ادب واحترام تھا۔

[1،2] بحوالہ مکتوبات سید العلماء [3] فرزند سے مراد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری مہاجر مدنی کی ولادت ۱۰ ررمضان ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ قاری صاحبؒ شیخ الحدیثؒ سے ایک ماہ بڑے تھے۔
[4] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

''میری دادی اماں ایک بار امروہہ تشریف لے گئیں جہاں میرے دادا صاحبؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ تشریف فرما تھے۔ وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے۔ حضرت مولاناؒ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی اٹھانے میں خود بھی شریک تھے۔''[1]

یہ تھا اس دور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین واولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام

حضرت محدث امروہیؒ کی علمی شہرت: حضرت قاسم العلومؒ کے ممتاز شاگرد ہونے کی وجہ سے آپ کی علمی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند میں بھی ہوگئی تھی۔ ہندوستان کے ہر ہر صوبہ کے نیز افغانستان وغیرہ کے طلباء امروہہ آتے تھے۔ یہاں پر شمع حدیث رسول کے پروانوں کا زبردست ہجوم رہتا تھا۔ ہندوستان کے دوسرے مدارس کے طلباء بھی بغرض تعلیم امروہہ آگئے تھے۔

''انشاءِ مظہر'' کے مصنف مولانا مظہر الحق مظہرؒ چاٹگامی تقریباً ۱۳۰۵ھ میں کانپور کے مدرسہ سے امروہہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے۔ چنانچہ مکتوب یازدہم میں لکھتے ہیں:

''قریب بست روز باقتضائے رسید کہ بندہ از شہر کان پور نقل نمودہ بقصبہ امروہہ آمدہ بعالی جناب فخر علمائے زمن مولانا سید احمد حسن صاحب دام نوالہم کتاب جلالین شریف، ترمذی شریف، ہدایہ آخرین، مقامات حریری درس دارد۔''

(انشاءِ مظہر ص ۹، مطبوعہ قیومی پریس کان پور)

طریقۂ درس: حضرت محدث امروہیؒ کی تقریر نہایت جامع شستہ اور پُر مغز ہوتی تھی۔ جس سے طلباء کی پوری پوری تشفی ہو جاتی تھی اور ان کا دامن طلب گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ تقریر میں وہ اپنے استاذ کا مکمل نمونہ تھے (آپ کی درسی وعمومی تقریروں کے چند نمونے پیش کئے جائیں گے)۔ بعض حدیث کی کتابوں کی قرأت وہ خود کرتے تھے۔ طالب علم جب تک اچھی طرح مطالعہ دیکھ کر نہ آتا مجال نہ تھی کہ آپ کے سامنے پڑھ سکتا۔ ان کے سامنے عبارت پڑھنے کے لئے بڑی قابلیت، ہمت اور بڑی

---

[1] بحوالہ تواریخ شخصیات حکیم ۱۱۱ اسلام حصہ ہفتم (محب الحق)

حاضر دماغی کی ضرورت تھی۔ ایسی غلطی جو اونچی کتابیں پڑھنے والوں کے لئے زیبا نہیں اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ غصہ و جلال فوراً چہرۂ تاباں پر نمایاں ہو کر پورے حلقے پر اثر انداز ہو جاتا تھا۔ تمام طلباء تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔

جہاں تک دورۂ حدیث کا تعلق ہے مجھے حضرتؒ کے متعدد تلامذہ سے معلوم ہوا کہ ''صحاح ستہ'' کو کم از کم دو سال میں ختم کراتے تھے۔ اگر ایک سال ترمذی شریف پڑھائی تو دوسرے سال بخاری شریف اور دیگر کتب۔ انھوں نے دورے کی کتابوں کو حسب صوابدید اپنی خاص ترتیب کے ساتھ نصاب میں رکھا تھا ترمذی کے درس میں تفصیل سے تقریر فرماتے تھے۔ ہر ہر مسئلہ کو عقلی و نقلی حیثیت سے سمجھاتے تھے۔ اپنے استاذ کی وساطت سے ان کو جو خاص علم کلام حاصل ہوا تھا۔ اس کو اپنے درس میں آشکارا کرتے تھے ان کے حلقۂ درس میں ایک طرف حضرت قاسم العلومؒ کے طریقۂ استدلال کی یاد تازہ ہوتی تھی تو دوسری طرف حکمت ولی اللٰہی اور ذکاوت عزیزی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی تھی۔ افسوس کہ آپ کی درسی تقاریر کے مکمل مجموعے جو چند سال پیشتر تک آسانی سے مل سکتے تھے تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکے ورنہ اس سے بہت کچھ علمی سرمایہ حاصل ہوتا۔ تقریر ترمذی کا ایک نامکمل مجموعہ حاصل ہوا ہے۔ اس کے چند اقتباس مستقل عنوان کے تحت پیش کروں گا۔

صاحب تذکرۃ الکرام آپ کے طریقۂ تعلیم اور افادۂ تدریس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کے نظام تعلیم میں شامل ہیں تعلیم دیتے لیکن زیادہ توغل تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے سنا گیا کہ بیان ایسا واضح و جامع اور پُر شوکت ہوتا تھا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلبا کی سمجھ میں بہت آسانی سے آجاتے اور اسی کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشیں ہو جاتی شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ ہوتا...آپ کے مستفیضین کی تعداد بہت کثیر ہے جن میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء اور اطباء کے زمرے میں شامل ہیں۔''

طلباء کی اخلاقی نگرانی: حضرتؒ طلباء علوم دینیہ کی جہاں ہر قسم کی سہولتوں کا لحاظ رکھتے تھے وہاں

ان کو یہ فکر بھی تھی کہ ان کی اخلاقی نگرانی بھی پوری طرح ہو۔ طلباء پر مدرسہ کی حدود میں اور مدرسہ کے باہر یکساں طور پر کڑی نگاہ رہتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الکرام لکھتے ہیں:

"شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ ہوتا تھا۔ سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی۔"

کوئی خلاف تہذیب عمل طلباء سے سرزد ہوتا تو اس کو فوراً ٹوک دیتے تھے۔ طلباء کی وضع قطع کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آپ کا جلال مشہور تھا بعض اوقات زبانی سرزنش کے علاوہ اچھے اچھے جواں اور قوی ہیکل طلباء کو تربیت کے سلسلہ میں زدوکوب بھی کر دیتے تھے۔ درمیان درس میں اور ختم بخاری کے دن خاص طور پر نصیحتیں فرماتے تھے۔ مولانا حکیم محمد رفیع صاحب نے بیان کیا کہ ہماری بخاری جب ختم ہوئی تو حضرت مولاناؒ نے بے ثباتی دنیا کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا کہ میں نے اور میرے ساتھ جو شریک تھے ان میں سے کئی طلباء نے اس تقریر سے متاثر ہو کر یہ تہیہ اور فیصلہ کر لیا کہ اب ہم دنیا سے بالکل بے تعلق اور شہر کی زندگی سے کنارہ کش ہو کر یاد خدا میں مشغول ہو جائیں گے۔

چنانچہ اس کے لئے عملی پروگرام بھی بنا لیا تھا۔ اتفاق سے مولانا حکیم محمد رفیع صاحب کے والد کو اپنے بیٹے کا ارادہ معلوم ہو گیا۔ حضرت مولاناؒ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ حضرتؒ نے سمجھایا کہ اُس تقریر کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ رہبانیت اختیار کر لی جائے اور شیخ سعدیؒ کے یہ مشہور اشعار پڑھے۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد زخانقاہ ☆ بشکست عہد صحبت اہل طریق را

گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود ☆ تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را

گفت او گلیم خویش بدری رد زموج ☆ ویں جہد می کند کہ بگیرد غریق را [1]

حضرتؒ اس امر کا خاص خیال رکھتے تھے کہ طلباء اپنی متعلقہ کتابوں اور مفید دینی تصنیفات کے علاوہ غیر متعلق کتابوں کے مطالعہ میں مشغول نہ ہوں۔ میرے محلّہ کے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ

[1] ترجمہ: ایک صاحبدل خانقاہ سے مدرسہ میں آ گیا، درویشوں کی صحبت کے عہد کو توڑ کر۔ میں نے دریافت کیا عالم اور عابد میں کیا فرق تھا، کہ تو نے اس فریق کو چھوڑ کر اس فریق کو پسند کیا۔ اس نے کہا وہ (عابد) اپنی گدڑی موج سے بچا کر لے جاتا ہے، اور یہ (عالم) کوشش کرتا ہے کہ ڈوبنے والے کو بھی نکالے۔ (محب الحق)

حضرتؒ ایک دن احقر کے دادا مولوی بشیر احمد صاحب فریدیؒ کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسجد محلہ کے سامنے والے مکان کے تحتانی کمرہ میں حضرتؒ کی نشست تھی۔ مسجد کے حجرہ میں مظاہر نام کے ایک طالب علم مقیم تھے۔ ان کو مولانا کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت وہ طالب علم (غالباً) فسانہ عجائب پڑھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ چند اور طالب علم بھی تھے۔ کتاب پڑھتے پڑھتے جب اس شعر پر پہنچے ۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند ☆ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

حضرت مولاناؒ کے کان میں آواز پہنچ گئی، غصہ میں آکر نیچے سے آواز دی، مظاہر! ٹھہر جا میں آتا ہوں تو یہاں اس لئے آیا ہے کہ فسانہ عجائب پڑھے گا، یہ سننا تھا کہ طالب علم کا دم نکل گیا، مع ساتھیوں کے مسجد کی دوسری جانب سے کود کر فرار ہو گیا۔ حضرت مولانا مسجد کی طرف چل پڑے تھے۔ دادا مرحوم نے خوشامد کر کے غصہ کو فرو کیا۔

حج بیت اللہ: حضرت محدث امروہیؒ نے اپنے استاذ معظم قاسم العلوم والمعارف حضرت نانوتویؒ کی معیت میں یہ مبارک سفر کیا۔ جبکہ آپ کے درس کا سلسلہ خورجہ میں ہی تھا۔ اس وقت آپ نوجوان تھے۔ عمر تقریباً ۲۵۔۲۶ سال کی ہوگی۔ حضرت نانوتویؒ نے تین حج کئے۔ پہلا ۱۸۶۰ء میں دوسرا ۱۸۷۰ء میں اور تیسرا ۱۸۷۶ء میں۔ آپ غالباً تیسرے حج میں ساتھ تھے۔ اس سفر حج میں حضرت نانوتویؒ کے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی حج کے لئے گئی تھی۔ اس مبارک سفر سے متعلق مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۱۱۶ میں ارقام کرتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عزیزم حافظ عبدالغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ واوصلہٗ الیٰ ما یتمناہٗ۔ پس از سلام مسنون واضح ہو............منشی حمید الدین صاحب (سنبھلی) سے امروہہ میں اتفاق ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے وعدہ میں پختہ ہیں۔ غالباً بعد رمضان ان کا وعدہ پورا ہوگا اور اس صورت میں امید غالب یہ ہے کہ ان شاء اللہ فقیر ضرور اس مقدس کوچہ دیار کی خاک کو اپنا تاج سر بنائے گا۔ اپنے جد امجد والد

ماجد کے ارادہ سے اطلاع دیں اور اپنی روانگی کے حال کی بھی اطلاع دیں۔ بہ ہمہ سلام واز ہمہ سلام۔[۱]

''از امروہہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عزیز از جانم حافظ عبدالغنی صاحب سلمہ اللہ واوصلہٗ الی ما یتمناہٗ۔ بعد مایلیق واضح خاطر عزیز باد۔ چند روز ہوئے کہ ایک خط بنام میر ہدایت علی صاحب روانہ کر چکا ہوں۔ اور اُس میں ایک پرچہ تمہارے نام کا بھی رکھ دیا تھا۔ خط بھیجنے سے غرض یہ تھی کہ اولاً چند خطوط بمبئی کے بوساطت مولانا (نانوتوی) صاحب کے فقیر کے پاس آئے تھے۔ اُن کو بھیجنا منظور تھا۔ علاوہ بریں حضرت مولانا صاحب نے بتاکید تمام ارقام فرمایا تھا کہ عید کے بعد بہت جلد روانہ ہونا ضرور ہے۔ دہلی جانے کی کچھ حاجت نہیں۔ براہِ راست روانہ ہونا چاہئے۔ اس لئے میرا عزم تھا کہ تیسری تاریخ تک ضرور روانہ ہو جاؤں۔ مگر چونکہ بعض وجوہ سے خورجہ جانا ضرور تھا اس وجہ سے میر صاحب کو لکھ بھیجا تھا کہ آپ حتی الامکان تاریخ مذکور پر روانہ ہوکر خورجہ تشریف لائیے یا کول (علی گڑھ) اِن شاء اللہ سب مل کر خورجہ یا کول سے روانہ ہو جائیں گے مگر سخت حیرت ہے کہ میر صاحب مخدوم نے اب تک جواب نہیں لکھا۔ خط بھی بیرنگ تھے۔ یہ بھی احتمال نہیں کہ ضائع ہو گئے ہیں۔ خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ جواب کی طرف بالکل جواب نہ ہوا۔ تمہارے والد ماجد کی علالت طبیعت شاید باعثِ انتظار ہوئی ہو۔ لہٰذا تم کو لکھا جاتا ہے کہ میں ان شاء اللہ ہفتہ کے روز روانہ ہونگا۔ اور بخاطر آپ حضرات کے اگر چہ ہرج ہوگا۔ مگر گڈھ مکتیسر کے راستے سے روانہ ہوتا ہوں۔ منشی حمید الدین صاحب شاید اس روز نہ جانے دیویں مگر بہر حال ان شاء اللہ یکشنبہ یا دو شنبہ کو میرٹھ داخل ہونگا۔ آپ کو مناسب ہے کہ اگر آپ حضرات کا ارادہ

۱؎ مکتوبات بنام سید العلماء مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

سب صاحب مع تہیہ اسباب سفر میرٹھ یکشنبہ غایت سے غایت دوشنبہ تک تشریف لے آویں۔ ورنہ تم جانتے ہو تم سے ملنا ضرور ہے۔ فقط تم ہی آ جاؤ۔ حد سے زیادہ تاکید جانو.......... نور الحسن حاضر الوقت اور مولوی خلیل الرحمٰن سلام کہتے ہیں۔'' [1]

مکہ معظمہ کی حاضری میں حج کی سعادت سے بہرور ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے سلوک و معرفت میں بیعت ہوئے اور مدینہ منورہ میں استاذ الاستاذ حضرت شاہ عبد الغنی مہاجر مدنیؒ سے اجازت حدیث حاصل کی۔ ہجرت سے قبل شاہ عبد الغنیؒ نے مکہ معظمہ جا کر شیخ محمد عابد سندھیؒ سے حدیث کی سند لی اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے تکمیل درس کیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور وہاں ۱۲۹۶ھ موافق ۱۸۷۹ء میں وفات ہوئی۔ آپ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی درس حدیث دیا تھا۔

اسٹیریا کے ایک خط کا جواب: حضرت محدث امروہیؒ کی علمی شہرت ہندوستان سے نکل کر یورپ تک پہنچی تو ملک اسٹیریا سے ایک خط یا سوالنامہ آیا کہ توحید و رسالت کو دلائل عقلی سے ثابت کیجئے آپ نے حضورؐ کی بعثت کو مدلل عقلی دلائل سے ثابت کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ مدار نجات پیروی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر ہے۔ آپ کی اتباع کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اور اس تحریر کو بھیجنے سے پہلے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو حرف بحرف گنگوہ جا کر سنایا۔ حضرتؒ نے بہت زیادہ پسند فرمایا اس مضمون کا نام ''العجالہ فی اثبات التوحید والرسالہ'' رکھا۔ اس مضمون کے متعلق مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۹۱ میں تحریر کرتے ہیں:

''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ، بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے.......... میں نے آج کل ایک انگریزی چٹھی کا جو ملک اسٹیریا سے آئی تھی جواب لکھا ہے۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ توحید و رسالت کو بدلائل عقلیہ ثابت کیا

---

[1] مکتوب مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

جائے اور یہ بھی کہ اس وقت یعنی بعد بعثت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نجات اخروی بغیر اتباع شریعت محمدیہ ممکن نہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب مدظلہٗ نے بھی ایک ایک لفظ مسموع فرمایا اور بہت پسند کیا۔ بریلی میں اس کا ترجمہ انگریزی ہوکر مع اصل کے شاید قریب روانہ ہو۔ مولوی عبدالغفور صاحب سیوہاروی سے تمہارے واسطے نقل کرا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ بفور نقل خدمت میں روانہ کروں گا۔"[1]

۲؍ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ، ۱۱؍اگست ۱۸۹۹ء روز جمعہ

از امروہہ، ضلع مراد آباد، محلہ پیرزادگان

مولانا پھلاودیؒ نے اس تحریر کو مطالعہ کرنے کے بعد یہ قطعہ تاریخ عربی میں لکھی۔ احقر عربی شعر اور اس کا ترجمہ پیش کرتا ہے کہ کس جذبہ سے مولانا پھلاودیؒ نے حضرت محدث امروہیؒ کی تحریر کی تحسین کی ہے۔

یَا مَنْ هُوَ عَالِمٌ شَهِيرٌ ☆ اِسْتَغْزَرَ عِلْمُكَ الْغَزِيرُ

اُوْتِيتَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ فِيهِ ☆ اَعْطَاكَ رَسُولُنَا الْبَشِيرُ

اَبْدَعْتَ كَقَاسِمِ الْعُلُومِ ☆ فِي الْفَضْلِ كِلَاكُمَا نَظِيرُ

طَالَعْتُ كِتَابَكُم مِرَارًا ☆ اُلْهِمْتُ بِاَنَّكَ الْخَبِيرُ

اَرَّخْتُ لِذَالِكَ ارْتِجَالًا ☆ لَا نِدَّ لَهُ وَ لَا نَظِيرُ

۱۳۱۷ھ

ترجمہ: اے معروف و مشہور عالم دین! آپ کا علم کثیر و بے پایاں ہے۔ آپ کو اس جواب میں "جوامع کلم" سے نوازا گیا۔ جو خوشخبری دینے والے رسول کی جانب سے آپ کو عطا ہوا۔ قاسم العلومؒ کی طرح آپ نے انوکھا کارنامہ انجام دیا۔ دنیائے علم و فضل میں آپ دونوں کی حیثیت "مثالی" ہے۔ بار بار میں نے آپ کی کتاب پڑھی (چنانچہ)۔ میرے دل نے منجاب اللہ آواز دی کہ آپ ماہر فن ہیں۔ لہٰذا میں نے برجستہ یہ تاریخ لکھ ڈالی کہ "نہ آپ کا کوئی ہم رتبہ ہے نہ کوئی مثیل"۔

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

جلسۂ دستار بندی دارالعلوم دیوبند: یہ جلسۂ دستار بندی قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے وصال کے تقریباً آٹھ ماہ بعد شوال ۱۲۹۸ھ میں ہوا ہے۔ اس جلسہ کی شرکت کے لئے ارباب دارالعلوم نے حضرت محدث امروہیؒ سے درخواست کی اور ساتھ ہی شرکت کے لئے دعوت نامہ اوراشتہار وغیرہ بھی بھیج دئے۔ اس جلسہ میں جن لوگوں کو دستار فضیلت دی گئی ان کے اسماء یہ ہیں: مولانا حافظ محمد اسحاق فرخ آبادیؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، مولانا احمد سکندر پوریؒ، مولانا حافظ بشیر احمد مندولویؒ، مولانا منفعت علی دیوبندیؒ، مفتی رحیم بخش شیرکوٹیؒ، مولانا سراج الحق دیوبندیؒ۔

حضرت محدث امروہیؒ جلسہ کی شرکت کی اطلاع مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۲۳ میں دیتے ہیں:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ بعد سلام مسنون وشوق ملاقات می نگارد الحمدللہ علیٰ خیریت الطرفین آپ کا خط پہنچا سرمایۂ مسرت ہوا............۔ بتقریب جلسۂ دستار بندی انشاء اللہ ضرور بالضرور دیوبند پہنچوں گا۔ چنانچہ اس جلسہ کے انعقاد کی تاریخ ۱۷رشوال بروز دوشنبہ قرار پائی ہے۔ اس کی اطلاع کا اشتہار دیوبند سے میرے نام آیا ہے۔ غالب یہ ہے کہ ۱۴یا ۱۵رشوال کو روانہ ہوکر شریک جلسہ ہوجاؤں گا۔ اوراس کے بعد دوروزہ کرواپس آجاؤں گا۔ بوجہ پابندیٔ کار مدرسہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے وطن پہنچونگا......آں عزیز اگر شریک جلسہ ہونا چاہیں تو میرے ساتھ تشریف لے چلیں ورنہ جو بھی آپ کی مصلحت ہو......اس مرتبہ غالباً بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، مؤطا، توضیح وتلویح اور عجب نہیں کہ ابن ماجہ بھی میرے متعلق ہو[1]''

بحیثیت شاعر: امروہہ ایک قدیم تاریخی علمی، اورادبی بستی ہے۔ یہاں ہرفن کے صاحب کمال افراد پیدا ہوتے رہے ہیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جب امروہہ آیا تو اس نے اپنے سفرنامہ میں امروہہ کا ذکر بہترین انداز میں کیا ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ .. نا فریدی (محب الحق)

''ثم وصلنا الیٰ امروہہ وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ''

پھر ہم امروہہ پہنچے جو ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔

برصغیر کے مشہور مورخ پروفیسر خلیق احمد فریدی نظامی مرحوم امروہوی امروہہ کے متعلق تذکرہ بدر چشت میں لکھتے ہیں

''امروہہ کا یہ حسن اس کے محل وقوع یا جغرافیائی خصوصیات کے باعث نہیں بلکہ علماء، مشائخ، اصحاب ذکر وفکر کے ان خانوادوں کے جمال وکمال کا پرتو تھا۔ جس نے یہاں کی مختصر آبادی میں وہ دلکشی پیدا کر دی تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح بھی اس کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔''

اسی امروہہ میں حضرت محدث امروہیؒ بھی ہوئے جو ایک طرف مفسر، محدث، فقیہ، مبلغ، معقولی، منقولی اور صاحب درس عالم ہیں تو دوسری طرف ادیب، فصاحت و بلاغت کے مالک اور عروض سے واقف اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ اپنے اشعار بغرض اصلاح آپ کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ خود آپ کے کلام کا پتہ نہیں کیا ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ پھلاودہ کے ذخیرہ میں موجود ہو۔

ایک مرتبہ مراد آباد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ سے ملاقات ہوئی تو شیخ الہندؒ نے درخواست کی کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری نے حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی شان میں مناقب جمع کئے ہیں۔ اس زمین میں آپ بھی کہیں۔ مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۱۷، ۷، ۱۲۴ میں ارقام کرتے ہیں:

''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ، بعد سلام مسنون ودعائے ترقیات تحریر کرتا ہے.........عزیز من! یہ خیال بے فائدہ ہے، اول تو میں کیا اور میرا کلام کیا، میرا کلام اہل نظر کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری تحریرات کے اندر جو خطا وعیوب ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ وہ اسی طرح پردۂ گمنامی میں رہیں۔ اس کام کا موقع کچھ عرصہ بعد (بعد رحلت) ہے۔ نہ ایسے وقت میں جبکہ میں نے

ابھی تک قید حیات سے چھٹکارا نہیں پایا ہے مگر پھر بھی آنعزیز کی منشاء کو نظر انداز نہیں کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ جس قدر بھی ہو سکے گا تحریراتِ پریشاں کو بہم پہنچا کر آنعزیز کی خدمت میں بھیجوں گا۔[1]"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بندۂ نحیف احمد حسن غفرلہ، بخدمت برادر مکرم عزیز تر از من بمن...... بعد سلام مسنون و دعائے ترقیات تحریر کرتا ہے.......... اشعار تقریظ جو آپ نے بھیجے تھے ان کو از اول تا آخر میں نے دیکھا۔ ماشاء اللہ خوب لکھے ہیں۔ کیونکہ میں ناکارہ فن شاعری سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کے اشعار بنظر اصلاح دیکھوں۔ یا آنعزیز کے الفاظ یا بندش کی اصلاح کروں۔ مگر واللہ آنعزیز کی دلجوئی غالب آئی اور آنعزیز کی خاطر نازک کے ملال کے اندیشہ سے چار و ناچار ایک دو حرف کی اصلاح کر دی ہے۔ اگر پسند خاطر ہو فبہا ورنہ بے تکلف اس کو قلم زد کر[2] دیں۔"

"بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ، بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم مولوی حاجی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے............. مراد آباد میں مولوی محمود حسن صاحب نے فرمایا کہ وہ اشعار جو ڈاکٹر صاحب نے دونوں حضرات کی شان میں جمع کیے ہیں اُس ردیف و قافیہ میں تجھ کو بھی لکھنا ضرور ہوگا۔ چنانچہ میں نے بھی چند اشعار لکھے ہیں۔ وہ انھوں نے سنائے۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کو معلوم ہے میں نابلد محض ہوں معاف فرمائیں اور اگر میرا نام ہونا ضرور ہی ہے تو اپنے اشعار میں سے چند اشعار میرے نام لکھوا دیجئے۔ خیر وقت تو ٹلا مگر خیال رہا۔ چند شعر لکھے وہ بنظر مطالعہ عزیز بھیجتا ہوں۔ اصلاح کی نگاہ سے مطالعہ کیجئے۔

[1,2] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

بسم اللہ

مدح لکھ اُن کی جو ہیں حافظِ قرآں دونوں ☆ حاجی بیتِ حرم، صاحب عرفاں دونوں
مہبطِ علمِ لدن، موردِ الطافِ الہٰ ☆ حافظِ علمِ نبیؐ، ماہرِ قرآں دونوں
منبعِ زہد و تقیٰ مطلعِ انوارِ ہُدیٰ ☆ علم و ارشاد کے ہیں مہرِ درخشاں دونوں
مظہرِ خاص کمالات نبی اکرم ☆ اُن پہ قربان، مری روح، میری جاں دونوں
نہ تو اِمکانِ تضاعف نہ جوازِ تطبیق ☆ میرے نزدیک تو باطل ہیں یہ بُرہاں دونوں
جب احاطہ ہو کمالات کا اُن کے دُشوار ☆ پھر تو کس منھ سے کہوں میں کہ ہیں یکساں دونوں
ہاں جو تھے گم شدگاں، راہ ہدایت سے انھیں ☆ باعثِ رشد و ہدایت ہوئے یکساں دونوں
احمد خستہ جو ہے محوِ کمالِ قاسم ☆ اُس پہ ہو لطفِ نبیؐ رحمتِ یزداں دونوں[1]

صرف یہی ایک منقبت کافی تلاش کے بعد ملی ہے۔ انھیں پڑھیں اور غور کریں کہ کس جذبہ سے اپنے استاذ معظم اور چچا استاذ کی شان میں حضرت محدث امروہیؒ نے اپنی والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔ اس ردیف و قافیہ میں مولانا محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ نے بھی منقبت لکھی ہے۔ مقالات فریدی حصہ اول میں ملاحظہ کریں۔

حکیم امجد علی کی کتاب کی ضبطی: حکیم امجد علی خاں کنبوہ نے اثنا عشری مذہب اختیار کرلیا تھا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی توہین میں ایک کتاب لکھی جو نہایت ناشائستہ اور زہریلی تھی۔ اہلِ امروہہ خصوصاً حضرت محدث امروہیؒ اس کتاب کو ضبط کرانے میں پیش پیش رہے۔ بالآخر کامیاب ہوئے۔ حکیم امجد علی سے آپ نے طب پڑھی تھی لیکن حضرات صحابہ کی عظمت اور مقام و مرتبہ استاذ سے بالاتر اور فائق ہے۔ مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو اس کتاب کے بارے میں مکتوب ٤٦ میں تحریر کرتے ہیں:

"بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت برادرم مولوی حافظ عبدالغنی صاحب جعلہ اللہ تعالیٰ کما یحب و یرضاہ۔ بعد سلام مسنون و آرزوئے دیدار کے

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

لکھتا ہے خط پہنچا بہت مسرت حاصل ہوئی.................کل ہفتہ کے دن کلکٹر امروہہ پہنچا اور اہل سنت و جماعت کے معززین سے خواہش کر کے ملاقات کی۔ اہل سنت و جماعت کا شکریہ ادا کیا اور اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور کہا کہ بیشک سنّیانِ امروہہ نے اپنے دل پر ایک بڑے صدمے کو برداشت کیا اور سرکار کی اطاعت کا جو حق تھا اس میں مدد کی۔ اہل سنت و جماعت کے اس صبر و تحمل کا انعام وصلہ سرکار کے ذمہ ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب اچھا نتیجہ دیکھیں گے اور مخالفین کی مخالفت اپنی پاداش کو پہنچے گی۔ چار سو کتابیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ میرے پاس داخل ہو چکی ہیں۔ اگر چہ آپ حضرات نے اسی پر اکتفا کر لیا تھا لیکن میری رائے یہ ہے کہ شیعوں کی اس ناپاک کتاب کا ایک ایک ورق ضائع ہو جائے، لہٰذا میں ابھی فراہمی کتب کی فکر میں ہوں۔ عنقریب امید فراہمی رکھتا ہوں۔ آپ لوگ خاطر جمع رکھیں اور کچھ پریشان نہ ہوں البتہ عشرۂ محرم کا زمانہ سر پر آ گیا۔ اگر گروہِ اہل سنت وجماعت اس زمانہ کو بھی امن و عافیت کے ساتھ گزار دیں تو زیادہ موجب رضامندیٔ سرکار اور بالخصوص مابدولت کی خوشنودی کا سبب ہوگا ورنہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جائے گا اور یہ اندیشہ بھی ہے کہ فریقین کے حق میں کوئی مشکل پیش آ جائے۔ مصلحت وقت کو پیش نظر رکھ کر سنیوں نے اس بات کو قبول کر لیا۔ انتظام کی ذمہ داری سے علیحدہ ہو کر اپنی رضامندی دربارۂ عشرہ ظاہر کر دی اور کلکٹر کو اطمینان دلایا کہ آپ کو فکر و تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے اور کل شیعوں کے درمیان کوئی خلش نہیں ہے اور نہ ہوگی۔ ہم کو جس قدر تکلیف پہنچی وہ امجد علی خاں اور اس کی تالیف سے پہنچی ہے اور بس۔ کلکٹر ممنون ہو کر چلا گیا[1]۔''

مدرسہ اسلامیہ امروہہ آپ کے بعد: حضرت محدث امروہیؒ مدرسہ امروہہ قائم

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا نافریدیؒ (محب الحق)

کرنے والے بھی تھے اور صدر المدرسین وشیخ الحدیث بھی تھے اور عملاً مہتمم بھی اگر چہ ضابطہ میں وقتاً فوقتاً کارِ اہتمام متعدد اشخاص کے سپرد ہوتا رہا ہے۔ حضرتؒ نے مجلس شوریٰ کے مضبوط نظام کے ماتحت بڑی خوبی اور حسن تدبیر کے ساتھ مدرسہ کو اعلیٰ منازل پر فائز کیا۔ آپ کا بڑا نصب العین اپنے استاذ کی طرح یہی تھا کہ علوم نبویہ ﷺ کے ماہرین زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں اور اسلامی تہذیب و معاشرہ زیادہ سے زیادہ رواج پائے اور اس راستہ سے ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا شدہ زہر کا تریاق مہیا ہو جائے۔ بحمد للہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان ہی کے شاگرد مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقیؒ (جو حضرت قاسم العلومؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی مستفیض تھے) اس مدرسہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین قرار پائے اور حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا عبد القدوس[1] صاحب صدیقی صدر مدرس ہیں اور مولانا سید اعجاز حسنین صاحب مدرسہ کے مہتمم[2] ہیں۔

نواب وقار الملک مرحوم اور محدث امروہیؒ: وقار الملک نواب مشتاق حسین صاحب امروہوی مرحوم بڑے وضعدار، خوش اخلاق اور مذہبی انسان تھے۔ تعلیمی تحریک میں وہ سرسید مرحوم کے رفقاء میں سے تھے لیکن جہاں تک عقائد کا تعلق ہے ان کو سرسید سے بڑا بُعد تھا۔

نواب وقار الملک اہل علم اور اہل دین حضرات سے انتہائی عقیدتمندی سے پیش آتے تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ سے بھی ان کو بہت ربط تھا۔ مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ نواب صاحب یہ چاہتے تھے کہ اس مدرسہ میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ بھی عربی کے ساتھ ہی ساتھ جاری رہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنی یہ رائے مجلس شوریٰ میں پیش کی۔ حضرت محدث امروہیؒ جس لائن پر مدرسہ کو چلا رہے تھے اور ان کے استاذ کا مدارس اسلامیہ کے قائم کرنے کا جو مقصد و منشاء تھا یہ بات اس کے خلاف تھی، اس لئے اس رائے کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ نواب وقار الملک نے اپنی رائے کو منوانا چاہا۔ وہ نہ مانی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں مجلس شوریٰ سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ اس پر حضرتؒ نے اپنی خودداری کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا کہ شاید نواب صاحب یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے بغیر مدرسہ نہ چلے گا، میں

[1] مولانا عبد القدوس کا صفر ۱۳۸۷ھ موافق ۹ر جون ۱۹۶۷ء میں وصال ہوا۔ [2] مولانا سید اعجاز حسنین کا ۲۱ر رمضان ۱۴۰۶ھ موافق مئی ۱۹۸۶ء میں وصال ہوا۔ (محب الحق)

نواب صاحب کی ذرہ برابر پرواہ نہ کروں گا۔ بعد میں نواب صاحب نے معافی مانگ لی تھی اور باہمی تعلقات بدستور خوشگوار رہے۔ اپنی جائیداد کا ایک حصہ نواب صاحب[1] نے مدرسہ کے نام وقف کیا ہے۔

حضرت محدث امروہیؒ کی جامعیت: تقریر کا ملکہ بھی آپ کو خاص طور پر عطا ہوا تھا، آپ کا طرز بیان دل نشیں ہوتا تھا۔ آخر تک سامعین دلچسپی اور شوق سے سنتے رہتے تھے، امام شہر ہونے کی حیثیت سے تقریباً ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔

صاحب تذکرۃ الکرام مولوی محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

"تقریر نہایت دلکش اور انداز بیان ایسا دل آویز ہوتا کہ سامعین میں جو اشخاص علم سے بے بہرہ ہوتے وہ بھی مطلب کو صاف طور سے سمجھ جاتے۔ خاکسار مؤلف کو نوعمری میں آپ کے مواعظ میں شرکت کا اکثر موقع ملا ہے۔ آپ کی بارعب شخصیت، نورانی چہرہ، دلکش آواز، دل آویز طرز بیان، آپ کی جاذبیت اور کشش کا اثر اب تک قلب میں موجود ہے۔"

اس کے بعد صاحب تذکرۃ الکرام جنھیں اکثر حضرت محدث امروہیؒ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"معاصر علماء میں آپ کو درجہ امتیاز حاصل تھا۔ علمی اور فقہی مسائل میں علماء کو جب شکوک و شبہات لاحق ہوتے حل مشکلات کی خاطر آپ ہی کی جانب رجوع کرتے۔ آپ کی رائے اور آپ کا فتویٰ علماء کے لئے سند ہوتا۔ جلسوں کے موقع پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال اور فضلاء مجتمع ہوتے آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں اور بلند و بالا نظر آتی اور ان مواقع پر جب کبھی کسی دقیق علمی مسئلے پر گفتگو فرماتے علماء ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور آپ کی دقتِ نظر اور تبحر علمی کا اعتراف

[1] جامعہ ہذا کے علاوہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کے سرپرست اور مختلف دینی و ملی اداروں کے ممبر تھے۔ علمائے حق سے عقیدت رکھتے تھے۔ ریاست حیدرآباد کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر بیش بہا خدمات انجام دیں۔ وقار الملک اور وقار الدولہ خطاب حاصل ہوا۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو امروہہ میں وفات ہوئی اور یہیں آسودۂ خواب ہیں۔ (محب الحق)

کرتے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات میں وہ تمام اوصاف ودیعت کئے تھے جو ایک دینی مقتدیٰ اور مذہبی پیشوا کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔ صلاح وتقویٰ اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ دنیاوی معاملات میں بھی آپ نہایت صائب الرائے، صاحب فہم اور صاحب تدبیر تھے۔ آپ کی شخصیت ایسی بارعب اور پُرکشش وجاذبیت رکھنے والی تھی کہ مسلمانانِ شہر دنیاوی معاملات میں بھی آپ کی قیادت کو باعث فخر ومباہات سمجھتے۔"

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اپنے ایک تعزیتی مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوتے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر ایک شاخ میں پوری دستگاہ ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول وفلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولائے ممدوح (محدث امروہیؒ) میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کر دئے تھے۔ مولانا کی تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق اور علوم عقلیہ نقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کے دقیق وغامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرز ادا میں نہایت صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے (ماخوذ: القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

مناظرۂ گلاوٹھی: اس مناظرہ کا سبب یہ ہوا کہ "اولدن" کے احناف اور "سراوہ" کے غیر مقلدین میں مسلہ "فاتحہ خلف الامام" پر بحث ومباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ دونوں فریق اپنے اپنے دلائل پیش کرتے تھے۔ مولانا سراج احمد حنفی اولدن اور مولانا حمید اللہ غیر مقلد سراوہ کے درمیان مراسلت بھی ہوتی رہتی تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مشورہ سے مناظرہ ہونا طے پایا اور یہ بھی طے ہوا کہ فریقین اپنے اپنے علماء کو بلالیں۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ موافق ۲۹/ جولائی ۱۹۰۰ء یک شنبہ مناظرہ کی تاریخ طے کی گئی۔ مناظرہ سراوہ میں ہونا طے

تھا۔ کسی نے حکام کو پوشیدہ خط لکھا کہ اس مناظرہ سے فساد کا اندیشہ ہے اور امروہہ، دیوبند، مراد آباد سے آنے والے حضرات کو یہ جھوٹی اطلاع بھیج دی کہ مناظرہ صرف مولوی سراج احمد اور مولوی حمید اللہ کے درمیان ہے۔ اور کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہے، فساد کا بھی اندیشہ ہے، اس لیے آپ حضرات شریک نہ ہوں۔ آخر حکیم عزیز الدین نے ذمہ داری لی کہ یہ مناظرہ گلاوٹھی میں ہوگا۔ اس مناظرہ کا سلسلہ تین دن تک رہا۔ حضرت محدث امروہیؒ کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ، مولانا ناظر حسن دیوبندیؒ، مولانا محمد صدیق انبیٹھویؒ، مولانا محمد ابراہیم واعظ دہلویؒ، مولانا انور شاہ محدث کشمیریؒ، مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ، مولانا محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ دہلیؒ اور دیگر علماء و عمائد میرٹھ و بلند شہر احناف کی طرف سے تشریف لائے۔ مولانا حمید اللہ ، مولانا عبد الوہاب نابینا دہلوی، مولانا محمد ادریس اولدنی، مولانا علیم الدین میرٹھی وغیرہم اہل حدیث کی طرف سے گلاوٹھی آئے۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ کو مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ استاذ مدرسہ امینیہ دہلی اور مولانا عبد الوہاب صاحب دہلوی کے درمیان مناظرہ ہوا اس مناظرہ میں احناف کو غلبہ حاصل ہوا۔ ۲/ربیع الثانی کو علی الصباح منشی مہربان علی مرحوم کے مکان پر حضرت محدث امروہیؒ کی ایک معرکۃ الآرا تقریر ہوئی جس میں فاتحہ خلف الامام پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا کہ امام کی قراۃِ فاتحہ مقتدی کے لیے کافی ہے۔ اس تقریر میں ایک بڑا مجمع تھا غیر مقلدین کے دو عالم بھی اس تقریر میں موجود تھے۔

مولانا عبد الغنی پھلاودیؒ کو اس مناظرہ کی اطلاع مکتوب ۹۹ میں تحریر کرتے ہیں:

> ''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون و دعائے ترقیات مدعا نگار ہے...........قصبہ اولدن کے مقلدین اور سراوہ کے غیر مقلدین میں باہم مناظرہ قرار پایا تھا۔ مولوی احمد اللہ غیر مقلد کی بدزبانی اور گستاخی سے مقلدین تنگ آگئے تھے۔ ناچار مولانا (گنگوہی) مدظلہ نے مناظرہ ہونا گوارا کیا۔ اور مجھے، مولوی محمود حسن صاحب اور مولوی خلیل احمد صاحب کو بتاکید لکھا کہ شریک ہوں۔ گو میری

طبیعت کے بالکل خلاف تھا مگر اول حکم ناطق مولانا کا دوسرے یوں معلوم ہوا کہ غیر مقلدین لاہور، پنجاب، دہلی وغیرہ ہر طرف سے ہجوم کریں گے ایسی حالت میں مولوی محمود حسن صاحب، مولوی خلیل احمد صاحب کا تنہا چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ ناچار گلاوٹھی میں جو مقام مناظرہ تھا فریق مخالف مرعوب ہو کر تابِ مناظرہ نہ لا سکا اور نہ اس کی جماعت کے عمائد آئے۔ دہلی کے بعض علماء نے ناتمام گفتگو کی اور اثناء گفتگو میں کھانے کی ضرورت سے اٹھے۔ مقلدین بعد فراغ فوراً موقع مناظرہ پر پہنچے اور غیر مقلدوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ چھوٹے بڑے نے ملامت کی مگر کچھ التفات نہ کیا۔ دوسرے روز میرا وعظ ہوا۔ اتفاق کی خوبی تنازعہ باہمی کے عواقب خوبی کے ساتھ بیان ہوئے اور مسئلہ تقلید، مسئلہ قرأۃ خلف الامام جو پیش مناظرہ تھے ان کا زور تقریر کے ساتھ شافی جواب دیا گیا۔ بقایا غیر مقلدین نیز اس جلسۂ وعظ میں شریک تھے (وہ بھی) تحسین کہنے پر مجبور ہوئے۔ فالحمدللہ اس کے بعد رخصت ہو کر خورجہ آیا۔ وہاں دو تین روز قیام کر کے جمعہ کو وطن واپس پہنچا۔[۱]
۱۸ ربیع الثانی یکشنبہ ۱۳۱۸ھ"

اس مناظرہ کی روئیداد "السراج الانور لفاقدی الحیاء والبصر الملقب بہ کشف الغشاوۃ عن ابصار اہل الغباوۃ فی اسکات مجتہد السراوۃ" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ جس کو مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ نے مرتب کیا اور حضرت امروہیؒ کی تقریر کو "باید دید" کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے خیال سے پوری تقریر پیش کی جاتی ہے کہ محدث امروہیؒ نے اپنی تقریر میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام اور تقلید کا جامع مکمل اور مسکت جواب دیا ہے۔

صوفی محمد علی صاحب مرحوم نے مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ سے تقاضا کر کے حضرت محدث امروہیؒ کی تقریر کو مرتب کرایا۔ صوفی صاحب مرحوم کے نزدیک اس تقریر کی کتنی اہمیت تھی اس کا

[۱] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

اندازہ قارئین کو مولانا رشیدی صاحبؒ کے جواب خط سے ہوگا۔ ارقام کرتے ہیں:

''مکرمی جناب صوفی محمد علی صاحب سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سامی نامہ مشتمل بطلب مضمون وعظ حضرت سیدی مولانا مولوی سید احمد حسن مد فیوضہم امروہی دوبارہ صادر ہوا۔ مکرما بلا تصنع عرض کرتا ہوں کہ ایسے بزرگوں کی تقریرات کا فہم وحفظ ہم جیسوں کو ازبس مشکل ہے۔ بالخصوص جو تقریر کہ مولانا ممدوح نے بضمن دیگر تقریرات متعلق مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام وعظ میں بیان فرمائی تھی۔ ازبس لطیف ودقیق ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے سید ومطاع حضرت محی السنۃ قامع البدعۃ مصدر انوار ربانی مظہر اسرار رحمانی زبدۃ العارفین عمدۃ الواصلین برگزیدہ اصحاب تحقیق قدوۃ ارباب تحقیق واقف رموز قرآنی گنجینہ علوم خدادانی مولانا الحاج الحافظ محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اس تقریر کے معلم اول تھے اور درحقیقت یہ ایک خاص نعمت ایزدی وموہبت خداوندی ہے کہ جو الہاماً عالم قدس سے ہمارے سید ومطاع مرحوم کے دل صفاء منزل میں القا فرمائی گئی اور اب یہ مضمون عالیہ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کرام کا حصہ ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔''

جناب صوفی صاحب آپ کا مجھ سے نابکار کو اس خدمت کے لیے خاص کرنا وضع الشے فی غیر محلہ کا مصداق ہے خیال تو فرمائیے کہ کجا سراج نا ہنجار وہیچمدان اور کجا یہ مضامین عالیہ لطافت نشاں۔ اپنی ہیچمدانی اور آپ کا اصرار دست وگریباں ہیں۔ ادھر حضرات مخالفین کی نافہمی ونا انصافی کا بھی اندیشہ لگا ہوا ہے کیونکہ وہاں ترجمۂ الفاظ حدیث معراج فہم ہے۔ ان مضامین عالیہ وعلمیہ کو ان کی بلا سمجھے۔

تقریر گلاوٹھی: ''بعد حمد وصلوٰۃ! حدیث ''لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' سے مخالفین زمانۂ حال کا اثبات فرضیت قرأت فاتحہ خلف الامام اور حنفیہ کثر اللہ سوادہم پر الزام ترک حدیث، اگر بتعمق نظر دیکھا جائے تو درست معلوم نہیں ہوتا، درحقیقت حدیث موصوف حنفیہ کے مخالف نہیں ہے، چنانچہ عنقریب واضح

ہو جائے گا، اگر حسب خیال مخالفین حدیث موصوف کو مخالف مسلک حنفیہ مان لیا جائے تو یہی حدیث موصوف بسبب احتمالات اُخر مثبت فرضیت، قرأۃ فاتحہ علی الموتم نہیں ہو سکتی، اثبات دعوی فرضیت کے لئے نص کا صریح الدلالت ہونا لابد ہے اور وہ بسبب احتمالات اُخر مفقود ہے، علاوہ ازیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح ستہ مین اسی حدیث میں لفظ فصاعدا کا مروی ہونا دلیل قوی اس امر کی ہے کہ حدیث بحق مقتدی نہیں ہے ورنہ روایت بخاری بزعم خصم اگر مثبت فرضیت فاتحہ علی المقتدی ہے تو روایت مسلم مثبت قرأۃِ فاتحہ مع شے ءزاید ہے، پس حضرت سفیانؒ وغیرہ ائمہ حدیث کا بذیل حدیث موصوف ''ھٰذا لمن یصلی وحده'' فرمانا جیسا کہ ابوداود میں موجود ہے شاہد عدل ہے کہ حدیث موصوف بحق مقتدی نہیں اور احادیث ممانعت قرأۃِ فاتحہ للمقتدی اور بھی اس امر کی وضاحت کرر ہے ہیں۔ بس حنفیہ کثر اللہ سوادہم ہر دو قسم کی احادیث پر عامل ہیں کہ بموجب حدیث ''لا صلوۃ لمن لم یقراء با م القرآن'' وجوب قرأت فاتحہ علی الامام والمنفرد اور بحکم آیت کریمہ ''واذا قری القران'' واحادیث ممانعت قرات فاتحہ للمقتدی سکوت وانصات مقتدی کے قایل ہیں۔ توضیح اگر اس مضمون کی اور درکار ہے تو سنیئے کہ حدیث ''لا صلوٰۃ لمن لم یقراء بام القران'' کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر مصلی کو قرأت فاتحہ کی ضرورت ہے۔ رہا یہ امر کہ ہر مصلی کو بالذات قرأت کی ضرورت ہے یا کوئی دوسرا قرأت کرلے تو مقتدی بری الذمہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس امر سے حدیث موصوف ساکت ہے۔ چنانچہ حدیث ''من کان له امام فقراۃ الامام له قرأت'' نے اس مضمون کی اچھی طرح تشریح فرمادی کہ قرأت امام بعینہ قرأت مقتدی ہے اور ہر مصلی کو قرأت کی بالذات ضرورت نہیں۔ پس صلوٰۃ مقتدی کو بغیر فاتحہ سمجھنا بعد ملاحظہ حدیث ''من کان'' صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس کی اور وضاحت مطلوب ہے تو دیکھئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے ''اذا صلی احد کم فلیجعل تلقاء وجهه شنیا'' یعنی جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے منھ کے سامنے کوئی شے کھڑی کرلے (سترہ) حدیث موصوف سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصلی کو سترہ کی ضرورت ہے امام ہو یا منفرد یا مقتدی۔ مگر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''سترۃ الامام سترۃ المقتدی'' (سترہ امام کا بعینہ سترہ مقتدی کا ہے) اور اس امر میں کسی کو خلاف نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا حدیث

شریف میں وارد ہے "الا ان صدقة الفطر واجب علی کل مسلم ذکراً وانثی حُراً و عبداً صغیراً و کبیراً" (صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا) حدیث موصوف سے وجوب صدقہ فطر عبد وغیرہ پر بصراحت ثابت ہے۔ مگر جمہور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مذہب ہے کہ عبد پر بالذات صدقۂ فطر واجب نہیں بلکہ مولیٰ کا ادا کرنا کافی ہے۔ حالانکہ لفظ عبد حدیث میں صریح موجود ہے اور بجز تعامل صحابہ کرام کوئی قولی حدیث اس باب میں نظر سے نہیں گذری۔ علیٰ ہٰذا القیاس گو حدیث "لا صلوٰة الا بفاتحة الکتاب" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصلّی کو ضرورت قرأت فاتحہ کی ہے۔ مگر حدیث موصوف اس امر سے ساکت ہے کہ ضرورت سب کو بالذات ہے یا کسی کو بالذات اور کسی کو بالتبع۔ پس جیسے کہ احادیث مذکورہ سے بوضاحت تمام معلوم ہوا کہ سترہ امام بعینہ سترہ مقتدی ہے اور ادائے صدقہ فطر مولیٰ از جانب عبد بعینہ ادائے عبد ہے۔ ایسے ہی حدیث "من کان لہٗ امام فقرأت الامام لہ قرأت" نے فیصلہ کر دیا کہ قرأت امام بعینہ قرأت مقتدی ہے (اور یہ حدیث قولی ہے) اور کیوں نہ ہو کہ صلوٰۃ امام ومقتدی صلوٰۃ واحد ہے۔ امام وصف صلوٰۃ کا موصوف بالذات اور مصلّی حقیقی اور مقتدی موصوف بالعرض و مصلّی بالتبع (بواسطۂ امام) ہے۔ چنانچہ ہر جگہ اتصاف بالذات و بالعرض میں یہی قصہ ہے کہ وصف واحد میں موصوفین متعدد شریک ہیں مگر موصوف بالذات ان میں سے کوئی ایک ہی ہوتا ہے اور باقی سب موصوفین بالعرض۔ اور موصوفین بالعرض اکتساب فیض موصوف بالذات سے کرتے ہیں اور ضروریات وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو ہوتی ہے۔ البتہ آثار وصف موصوف بالذات کی بدولت موصوفین بالعرض کو حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مضمون کی مثال معائنہ احوال کشتی و جالسین کشتی سے ہویدا ہے کہ ضروریات وصف یعنی اسباب محرکہ کی ضرورت تو فقط کشتی کو ہے کہ وہ وصف حرکت کی موصوف بالذات ہے۔ البتہ آثار حرکت یعنی تبدل اور ضاع وانتقال من مکان الی مکان جیسے کہ کشتی کو حاصل ہے ایسے ہی بواسطہ کشتی کشتی نشینوں کو بھی لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور دونوں پر اطلاق تحرک کا کیا جاتا ہے۔ مگر ارباب ہوش جانتے ہیں کہ کشتی اولاً بالذات متحرک ہے اور جالسین کشتی ثانیاً و بالعرض متحرک ہیں۔ اور حصول حرکت و آثار حرکت میں تابع و مستفیض

کشتی کے ہیں۔ پس یہی حال بعینہ صلوٰۃ امام ومقتدی کا ہے کہ صلوٰۃ واحد میں یہ سب لوگ شریک ہیں مگر امام موصوف بالذات اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں۔ چونکہ امام موصوف بالذات ٹھیرا الواصل صلوٰۃ (قرأت) کی ضرورت فقط امام کو ہوگی اور آثار صلوٰۃ بوجہ اتصاف بالعرض بواسطہ امام مقتدیوں کو حاصل ہوں گے۔ پس بعد ملاحظہ تقریر بالا قرأت امام مقتدی کی قرأت ہونا بدیہی نظر آتا ہے اور یہی وجہ ارشاد ''ومن کان له امام فقرأت الامام له قرات'' کی معلوم ہوتی ہے۔ اب اگر یہ خدشہ کسی کو دامنگیر دل ہو کہ خطاب صلوٰۃ عامۂ مومنین کو ہے جس کا مفاد سب کو بوصف صلوٰۃ متصف ہونا اور سب پر علی السویہ اصل صلوٰۃ (قرأت) کا ضروری ہونا ہے تو پھر امام کو موصوف بالذات کہنے کی کیا وجہ ہے۔ سو بحمدہ تعالیٰ امام کا موصوف بالذات ہونا بشہادت فطرت سلیمہ بچند وجوہ یقینی معلوم ہوتا ہے۔ ازانجملہ افضلیت امام علی الترتیب المذکور فی الحدیث بشرط فہم شاہد عدل ہے کہ امام مفیض و مقتدی مستفیض ہیں۔ جس طرح کہ سُرعت وبطور حرکت میں کشتی نشین تابع حرکت کشتی ہے اسی طرح صلوٰۃ مقتدی کمال ونقصان دین میں تابع صلوٰۃ امام ہے۔ اور اس کی وجہ بجز اتحاد صلوٰۃ واتصاف بالذات و بالعرض اور کیا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ مطلقاً تقدم و تاخر مکانی ہرگز مقتضی نہیں ہے کہ متقدم مکانی متاخر مکانی سے افضل ہو ورنہ لازم آتا ہے کہ جو منفرد قریب قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور ان میں جو اوروں سے آگے کو بڑھا ہوا نماز پڑھ رہا ہو وہ سب سے افضل واعلیٰ ولیس کذالک پس اگر امام مفیض وموصوف بالذات نہیں ہے تو افضلیت امام کی کیا ضرورت ہے؟ ازانجملہ سہو امام سے مقتدیوں پر وجوب سجدہ سہو بشرط فہم سلیم اتحاد صلوٰۃ امام ومقتدی و افاضہ امام پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ بسبب اتحاد وصف اضطراب کشتی موجب اضطراب کشتی نشین ہے ازانجملہ سہو مقتدی سے اور تو درکنار خود مقتدی پر بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہونا مشیر ہے کہ صلوٰۃ مقتدی تابع صلوٰۃ امام ومقتدی موصوف بالعرض ہے۔ ازانجملہ سترہ امام کا مقتدیوں کے حق میں سترہ ہونا جیسا کہ اوپر حدیث سے ثابت ہو چکا ہے بشرطہ اتصاف دلیل قوی اس امر کی ہے کہ مصلّی حقیقی و بالذات ومفیض امام ہی ہے اور مقتدی مصلّی بالتبع و مستفیض عن الامام ہے۔ ازانجملہ مقتدیوں کو رکوع وسجود میں ممانعت تقدم و تاخر عن الامام دلیل میں ہے کہ صلوٰۃ امام حقیقی و بالذات ہے اور صلوٰۃ مقتدی بالتبع و بواسطہ امام ہے۔ اگر

صلوٰۃ مقتدی کو حقیقی کہا جائے تو یہ ممانعت شرعیہ لغو ہوئی جاتی ہے۔ الحاصل صلوٰۃ امام ہی مقتدیوں کی طرف بمقتضائے اتصاف بالعرض منسوب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ حرکت کشتی جالسین کشتی کی طرف منسوب ہے۔ پس جیسے کہ مشاہدہ اختلاف تشکلات قمریہ سے نور القمر مستفاد من نور الشمس کا اذعان ہوتا ہے اور ملاحظہ احوال کشتی سے کشتی کا متحرک بالذات اور جالسین کشتی کا متحرک بالعرض ہونا متیقن معلوم ہوتا ہے۔ ایسے ہی بشرط انصاف بعد ملاحظہ وجوہ مذکورہ اتحاد صلاۃ امام و مقتدی اور اول کا بالذات اور ثانی کا بالعرض ہونا بدیہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا ''من کان له امام فقراۃ الامام له قراۃ'' اب اگر کسی کو یہ خدشہ ہو کہ بوجہ اتحاد صلاۃ قرأت کی ضرورت فقط امام کو ہوئی اور مقتدی اس سے سبکدوش ہو گیا تو ایسے ہی ستر عورت و طہارت و استقبال قبلہ و رکوع و سجود وغیرہ کی ضرورت بھی مقتدی کو نہ ہوتی اور یہ جملہ امور بتقاضائے اتصاف بالذات بذمہ امام ہوتے۔ سو اس کا مجملاً یہ جواب ہے کہ عروض وصف اور اکتساب فیض کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ موصوف بالعرض داخل احاطہ موصوف بالذات ہو۔ مثلاً حرکت کشتی کا موصوف بالعرض وہی ہو سکتا ہے کہ جو کشتی کے اندر ہو دریا میں۔ مطلقاً کہیں ہونا کافی نہیں۔ یا مثلاً شعاع شمس سے وہی مستفیض و منور ہو سکتا ہے کہ اس کے مقابلہ و محاذات میں ہو۔ ''کیف ما اتفق'' بُعد مجرد مین ہونے سے کام نہیں چلتا۔ ایسی ہی صلوٰۃ امام سے وہی شخص مستفید و مستفیض ہو سکتا ہے کہ داخل حدود و احاطۂ صلوٰۃ امام ہو۔ پس جو شخص کہ شرائط و ارکان صلاۃ یعنی ستر عورت و طہارت جسم و جامہ و استقبال قبلہ وغیرہ کو بجانہ لائے گا اور رکوع و سجود میں اتباع امام کو مرعی نہ رکھے گا تو وہ درحقیقت داخل احاطۂ صلوٰۃ امام ہی نہیں۔ اور جب داخل احاطہ صلوٰۃ امام ہی نہ ہوا تو اس سے مستفیض کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بتقاضائے اتصاف بالعرض نیت اقتدا بالذمہ مقتدی ضرور ہوئی اور موصوف بالذات کو چونکہ استغناء عن المعروضات لازم ہے۔ لہٰذا نیت امامت کی ضرورت امام کو نہ ہوئی۔ فتدبّر اس کے بعد اگر یہ خلش ہو کہ جب مقتدی بپابندی شرائط و ارکان مذکورہ داخل احاطۂ صلوٰۃ امام ہو گیا تو بتقاضائے اتصاف بالذات و اتحاد صلوٰۃ چاہئے تھا کہ دعائے افتتاح و تسبیحات رکوع و سجود و تشہد بھی مختص بذات الامام ہوتے اور مقتدی مثل قرأت فاتحہ ان سے بھی سبکدوش ہوتا؟

سو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ صلوٰۃ درحقیقت دو قسم کے افعال کو مشتمل ہے۔ بعض اصل صلوٰۃ ہیں اور بعض مقدمات و توابع صلوٰۃ ہیں۔ پس اصل صلوٰۃ میں امام موصوف بالذات ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت فقط امام کو ہی ہونی چاہئے اور مقدمات و توابع صلوٰۃ میں امام و مقتدی مشترک علی السویہ ہیں تو ان کے آثار میں بھی مساوات و اشتراک لازم ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اصل صلوٰۃ کیا شئی ہے جس کی ضرورت فقط امام کو ہونی چاہئے اور مقدمات و توابع صلوٰۃ کیا ہیں جن میں امام و مقتدی دونوں شریک ہیں۔ سو بعد مطالعہ مضمون سورۂ فاتحہ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اصل صلوٰۃ استدعائے ہدایت ہے۔ چنانچہ عرض ''اھدنا الصراط المستقیم '' اس طرف مشیر ہے۔ پھر بعد فاتحہ ارشاد ''ذالک الکتاب لا ریب فیہ'' سے مفہوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید بندوں کے حق میں ہدایت ہے۔ پس نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا گویا کہ ایک عرضی بارگاہ احکم الحاکمین میں پیش کرنا ہے اور چونکہ تمام قرآن شریف کا بندوں کے حق میں ہدایت ہونا ابھی معلوم ہو چکا ہے اور جیسے کہ دریا کے ہر قطرہ کے لئے پانی ہونا لازم ہے ایسے ہی قرآن شریف کا ہر ٹکڑا اور ہر آیت ہدایت ہے۔ پس بعد فاتحہ امام کا سورۃ پڑھنا بمنزلہ جواب شاہی ہے۔ پس غرض اصلی صلوٰۃ سے عرض معروض اور استماع احکام الٰہی ہے کہ جو موجب حصول ہدایت ہے۔ پس قرأت قرآن اصل صلوٰۃ ہے۔ چونکہ اتصاف بالذات امام ابھی ثابت ہو چکا ہے اور مقتضیات وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا قرأت قرآن کہ باعتبار صلوٰۃ مطلوب ہے۔ مختص بالامام ہوا اور امور باقیہ مقدمات و ملحقات و توابع صلوٰۃ مثل ستر عورت و طہارت جامہ و جسم و استقبال قبلہ و رکوع و سجود و تکبیرات و تسبیحات رکوع و سجود و دعائے افتتاح و تشہد باعتبار اصل صلوٰۃ مطلوب نہیں ہیں بلکہ بوجہ حضور ضروری ہیں اور ظاہر ہے کہ اعتبار و صلوٰۃ اعتبار حضور باہم متغائر المفہوم ہیں۔ تو لاجرم ان کے آثار بھی باہم مغائر و مخالف ہوں گے یعنی قرأت قرآن میں اصل صلوٰۃ ہے۔ امام موصوف بالذات ہوگا اور امور باقیہ کہ بوجہ حضور دربار خداوندی مطلوب ہیں اور حضور میں امام و مقتدی دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا آثار حضور میں بھی امام و مقتدی شریک ہوں گے یہی وجہ ہے کہ '' قرأت امام قرأت لہ '' تو ارشاد ہوا اور ''تسبیح الامام تسبیح لہ'' یا ''تشہد امام تشہد لہ'' ارشاد نہ ہوا۔ بالجملہ یہ امور بوجہ حضور

مطلوب ہیں۔ طہارت وغیرہ مقدمات حضور میں سے ہیں۔ تو تکبیر تحریمہ۔ ودعائے افتتاح بمنزلہ سلام نیاز مندانہ وقت حضور و رکوع و سجود بمنزلہ آداب و نیاز مستمندانہ اور تشہد اظہار شکر منعم بعد حصول انعام و اکرام ہیں۔ الحاصل ان امور کی پابندی بذمہ مقتدی باعتبار حضور ہے نہ باعتبار صلوٰۃ۔ اس کی عام فہم مثال یہ ہے کہ جب کوئی جماعت بغرض عرض معروض دربار شاہی میں حاضر ہونا چاہتی ہے تو اولاً شست و شوئے روئے و صفائی جسم و درستی لباس کی ضرورت ہوتی ہے (پس نماز بھی چونکہ حضور دربار خداوندی ہے۔ تو ستر عورت و طہارت جسم و جامہ نماز میں مقدمات حضور ہوئے)۔ اور دربار میں پہنچ کر نہایت ادب سے متوجہ ہو کر کھڑا ہونا اور سلام نیاز مندانہ بجالانا ضروریات سے ہے (نماز میں استقبال قبلہ و تکبیر تحریمہ۔ ودعائے افتتاح کو بمنزلہ توجہ باادب و سلام و نیاز وقت حضور خیال فرمانا چاہئے)۔ عرض مطلب کے لئے یہ طریقہ مقرر ہے کہ اظہار مدعا و استماع حکم شاہی کے لئے اپنے لوگوں میں سے کسی لائق شخص کو منتخب کر کے آگے بڑھاتے ہیں کہ وہ لیاقت عرض مطلب کی اوروں سے زیادہ رکھتا ہو۔ آداب دربار شاہی سے واقف ہو۔ غرض کہ وہ اپنی جماعت میں فائق تر ہو۔ جب وہ عرض مطلب شروع کرتا ہے تو سب نہایت ادب سے خموش کھڑے رہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ سب کے سب شور و غل مچا دیں اور اس وکیل کا عرض معروض سب کا ہی عرض معروض خیال کیا جاتا ہے۔ بعد عرض جو حکم شاہی ہوتا ہے اس کو یہ سب سنتے ہیں (پس نماز میں امام کا سب سے متقدم ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھنا کہ عرضی بندگان بانیاز کی ہے اور اس کے بعد سورۃ پڑھنا کہ بمنزلہ حکم احکم الحاکمین ہے اور اس حالت میں جماعت کا سکوت و انصات اسی قبیل سے ہے) اور افضیلت امام حسب ترتیب مذکورہ فی الحدیث کی یہی منشا معلوم ہوتی ہے۔ جب بندگان بانیاز نے حکم شاہی سن لیا اور انعام شاہی سے مالا مال ہو گئے تو اس کے اظہار شکر میں رکوع و سجود و تشہد کی ضرورت ہوئی۔ الحاصل امر واحد جیسے کہ باعتبارات مختلفہ موسوم باسماء اتصاب مختلفہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص باپ اور بیٹا استاد اور شاگرد باعتبارات مختلفہ ہوتا ہے تو ابوت و بنوت استادی و شاگردی کے احکام تعظیم و تکریم عجز و ادب بھی جداگانہ اس پر متفرع ہوتے ہیں۔ ایسے ہی صلوٰۃ باعتبارات مختلفہ موسوم و ملقب بذکر و طاعت و حسنہ وغیرہ ہوتی ہے و لاریب اس کے القاب مختلفہ میں احکام مختلفہ کی تسلیم سے چارہ نہ ہوگا۔ پس بحکم ”لا صلاۃ الا بفاتحة

الکتاب ''قرأت باعتبار اصل وصف صلوٰۃ مطلوب ہے۔اگر مختص بالامام ہو کہ وہ موصوف بالذات ہے اور امور باقیہ کے باعتبار حضور مطلوب ہیں اس میں امام و مقتدی بالمساوات شریک ہوں تو اس میں کوئی خرابی وقباحت لازم نہیں آتی۔پس احادیث دالہ علی القرأت واحادیث مانعہ عن القرأت وآیت فاقرؤا میں کوئی تعارض نہ رہا اور تینوں کا محمل جدا جدا معلوم ہو گیا۔وہو المطلوب۔

مناظرۂ نگینہ: ۱۳۲۲ھ موافق ۱۹۰۴ء کو نگینہ ضلع بجنور میں آریوں سے مناظرہ ہوا۔اس میں حضرت محدث امروہیؒ اور اس وقت کے تقریباً تمام مشاہیر اکابر نے شرکت فرمائی تھی۔مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے فریق ثانی سے مناظرہ کیا۔کئی دن تک محفل مناظرہ گرم رہی۔غالباً تقدیر کا مسئلہ فریق ثانی کی طرف سے چھیڑ دیا گیا تھا جو طول پکڑ گیا تھا اور کسی طرح سمٹنے میں نہیں آتا تھا۔ادھر عوام الناس کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا اسی دوران میں ایک رات حضرت شیخ الہندؒ نے خواب دیکھا کہ ایک دریا ہے اس کے ایک کنارے پر شیخ الہندؒ بیٹھے ہیں اور دوسرے کنارے پر استاذ معظم حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ تشریف فرما ہیں۔حضرت شیخ الہندؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں کوئی کشتی ہے نہیں جس کے ذریعہ میں آپ تک پہنچوں۔کیا کروں؟ فرمایا:''اس کی تدبیر میر احمد حسن سے دریافت کرو'' صبح کو حضرت شیخ الہندؒ نے اس خواب کی تعبیر خود ہی نکالی کہ دریائے مناظرہ سے پار ہونے کی تدبیر میر احمد حسن صاحب امروہی بتلائیں گے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ رات میں نے استاذ مرحوم کو خواب میں دیکھا ہے یہ صورت واقعہ تھی اور انھوں نے یہ فرمایا ہے۔

حضرت امروہیؒ نے اولاً بطور انکسار فرمایا کہ یہ خواب وخیال کی بات ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے تو میں ایک مشورہ دیتا ہوں۔اس پر عمل کر لیا جائے اور وہ یہ کہ مناظرہ ملتوی کر دیا جائے۔ایسا ہو جائے کہ ایک وکیل آریوں کا اپنے مذہب کی اثبات میں تقریر کرے اور اس کو بالاتر ثابت کر دکھائے اور دوسرا وکیل مسلمانوں کی طرف سے ہو جو مذہب اسلام کی تمام مذاہب عالم پر فوقیت اور اس کا باعث نجات ہونا عقلی دلائل سے ثابت کرے اور مجمع عام میں ہر دو مذہب کے وکیل اپنی اپنی تقریر پیش کر دیں۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آریوں نے بھی اس کو مان لیا۔مسلمانوں کی طرف سے متفقہ طور پر حضرت

محدث امروہیؒ وکیل بنائے گئے۔ آپ نے آریوں اور عیسائیوں کے بھرے مجمع میں ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس میں عقلی دلائل کی مدد سے اسلام کی جملہ مذاہب عالم پر فوقیت و برتری ثابت کی۔ اس تقریر میں توحید، رسالت، مقصد زندگی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کا رنگ اس تقریر میں پورا پورا جھلک رہا ہے۔ ''افادات احمدیہ'' میں دعوت الاسلام کے عنوان سے یہ تقریر شائع ہوگئی ہے اور انتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ روداد مناظرہ نگینہ میں بھی چھپ چکی ہے۔ ہر مبلغ اسلام اور حکمت و عقل کی روشنی میں ملت بیضا کی بالاتری ثابت کرنے والے کو اس تاریخی تقریر کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

اس تقریر کا یہ اثر تھا کہ تمام مجمع دم بخود تھا۔ بعض غیر مسلموں نے اس تقریر کو سن کر یہ کہا کہ اگر کسی تقریر پر ایمان لے آنا چاہئے تو یہ تقریر ایسی ہی تھی۔ حضرت محدث امروہیؒ نے اپنی اس تقریر کے متعلق مفتی محمد سہول صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند سے فرمایا تھا کہ تقریر کرتے وقت مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ میں کہاں ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں، بس یہ محسوس ہو رہا تھا کہ استاد مرحوم پاس کھڑے ہیں اور جو وہ بتلا رہے ہیں وہ بول رہا ہوں۔ جب وقت ختم[1] ہوا اور اس کی اطلاع دی گئی تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری تقریر کا وقت ختم ہوگیا۔ سچ ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ☆ انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویند

محمد ابراہیم صاحب پھلاودی ذوق ثانی نے تقریر نگینہ کے متعلق حسب ذیل قطعہ کہا ہے۔

تیغ زبان حضرت احمد حسن نے کیا ☆ مضمون آبدار کا جوہر دکھا دیا
ایسی لگائی مہر مخالف کے منہ تھے بند ☆ کیا ہی نگینے پر یہ نگینہ جما دیا
کانوں نے جو سنے وہ مضامین عجیب تھے ☆ آنکھوں سے علم قاسمی سب کو دکھا دیا

[1] مفتی صاحبؒ نے یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ میری ملاقات ریل میں حضرت امروہیؒ سے ہوئی اور ان کے ہاتھوں میں غالباً روداد مناظرہ نگینہ تھی۔ میں نے اس روداد میں حضرت کی تقریر کو پڑھا اور پڑھ کر عرض کیا کہ حضرت یہ تقریر تو بالکل مولانا نانوتویؒ کی سی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں! ایسا ہی ہے اور پھر یہ سب واقعہ حضرت شیخ الہندؒ کی خواب وغیرہ کا خود ہی بیان فرمایا اور فیضان حضرت نانوتویؒ کا ذکر کیا۔ (فریدی)

مشتاق تھے جو حضرت قاسم کی دید کے ☆ گویا جمال قاسمی ان کو دکھا دیا
رد کر دیا دلیل سے کیا خوب باطل کو ☆ تقریر قاسمی کا نمونہ دکھا دیا[1]

قطعہ تاریخ منشی عبدالربّ صاحب شکیب امروہوی مرحوم

مولوی سید احمد حسن ☆ کرد از اعجاز دین چوں خوار وید
در جواب گفتگوئے دین حق ☆ آریہ مجبور شد ناچار وید
اے زہے دعوی کہ حین امتحاں ☆ منفعل گشتہ سر دربار وید
شد چو طشت از بام کید ویدیاں ☆ در بغل پیچید مثلِ مار وید
بر محل تاریخ او گفتہ شکیب ☆ شد عیاں تزویر کید چار وید

۱۳۲۲ھ

تقریر نگینہ: بعد خطبۂ مسنونہ

"سچے دل سے اقرار کرتا ہوں میں اس بات کا کہ نہیں ہے کوئی معبود و لائق عبادت و مستحق بندگی سوائے اللہ کے۔ اکیلا ہے وہ نہ مرتبہ ذات میں کوئی اس کا شریک و ساجھی ہے، نہ مرتبہ کمالات ذات۔ یعنی مرتبہ صفات میں اور صدق دل اور سچے قلب سے اقرار کرتا ہوں میں اس امر کا کہ بے شبہ و بالیقین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہیں اس کے مقبول اور رسول ہیں اس کے برحق۔"

اے حاضرین جلسہ اور اے حضرات مجلس! یہ بندۂ ضعیف اور آپ حضرات بلکہ سب بنی آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ☆ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

اس لئے ہر ایک پر ضرور ہے کہ باہمدیگر ایک دوسرے کی پوری ہمدردی کرے اور کامل خیر اندیشی۔ مجھ پر لازم ہے کہ بحق ہمدردی آپ حضرات کی خیر اندیشی میں تا امکان کوشش کروں، میں اپنے

[1] اس مناظرہ کی روداد حکیم ارتضیٰ علی صاحب نگینوی مرحوم نے مرتب کی ہے۔ جس کا نام "رکوب السفینہ فی مناظرۃ النگینہ" ہے۔ یہ مناظرہ ۵/ جون ۱۹۰۴ء سے ۱۲/ جون ۱۹۰۴ء تک رہا۔ اسی کتاب سے حضرت محدث امروہی کی یہ تقریر پیش کی گئی ہے۔ (محب الحق)

خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ کو گواہ کر کے قسم کھاتا ہوں کہ مجھ کو اس وقت کھڑے ہو کر جو کچھ عرض کرنا مقصود ہے اس سے صرف آپ حضرات کی خیر اندیشی مقصود ہے۔ اپنا کوئی مطلب ذاتی نہیں۔ لہٰذا بہ ہزار نیازمندی یہ آرزو ہے کہ آپ حضرات میری جملہ معروضات کو فضول نہ سمجھیں اور انصاف کے ساتھ بہ توجہ خاطر سنیں۔ صاحبو! بات یوں ہے کہ ہم، آپ اور تمام بنی آدم تین حال سے خالی نہیں۔ بعض وہ جو راہ مستقیم پر یعنی اسی راہ اور اسی سڑک پر جو ہمارے مقصود اصلی تک موصل ہو اور ہم کو تا بمقصود پہنچادے۔ مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں اور مستعدی کے ساتھ اس پر چل رہے ہیں اور کسی حال میں اپنے قدم کو اس راستہ سے نہیں ہٹاتے اور بعض وہ کہ طریق مقصود اور راہ مطلوب کو چھوڑ کر بالکل بے راہ ہو گئے ہیں اور بعضے وہ کہ گو وہ راہ مقصود پر چل رہے ہیں مگر نہ بایں استقامت و مستعدی و نہ بایں استقلال و ثابت قدمی بلکہ گرتے پڑتے، ٹھوکریں کھاتے راہ مقصود کو طے کرتے ہیں۔ تیسرے اشخاص بہ نسبت اشخاص قسم اول جنھوں نے راہ مستقیم و راہ مقصود کو پکڑ رکھا ہے اور جن کا وصول الی المقصود ضرور متوقع گو ادنیٰ ہے مگر تاہم بہ نسبت اشخاص قسم ثانی وہ بھی اچھے ہیں اور ان کی حالت گو خطرے سے خالی نہیں۔ لغزشوں کی افتاد اور ٹھوکروں کی مصائب کا ہر وقت سامنا مگر تاہم امید کہ گرتے پڑتے ایک روز مقصود تک پہنچ لیں۔ بخلاف قسم ثانی کے کہ ان کا وصول الیٰ المقصود کسی طرح متوقع نہیں۔ ان کی حالت بالکل خطرناک ہے اور عین حسرت۔ مگر یہ مطلب جب سمجھ میں آسکتا ہے کہ پہلے یہ معلوم ہو کہ ہمارا تمہارا مقصد اصلی کیا ہے اور وہ سڑک اور وہ راہِ مستقیم جو مقصود اصلی تک پہنچادے کون سی ہے۔ سو سنیئے! تمامی مخلوقات اور تمامی کائنات میں سے انسان ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کا خواہ از جنس سماویات ہو یا جنس ارضیات محتاج ہے اور ہر نوع مخلوقات کو نوع انسان سے بہمہ جہت استغناء۔

آپ حضرات اپنے کھانے پینے دوا و غذا صحت و مرض، قیام و قرار، نوم و یقظہ حالات کو اگر نظر غور سے نظر فرمادیں تو واضح دیکھ سکتے ہیں کہ درحقیقت ہم اپنے تعیش و بقاء میں کسی نہ کسی مرتبہ میں ضرور ہر چیز کے محتاج ہیں اور جملہ اشیاء و تمامی مخلوقات کو ہماری کوئی حاجت نہیں۔ سب کو ہم سے غناء ہے اور ہم کو سب کی حاجت اور یہ خود مسلّم کہ محتاج الیہ اشرف نہ محتاج پھر کیا وجہ کہ باوجود اس ہمہ حاجت ہونے کے نوع انسان کو سب پر فضیلت ہوئی۔ اور اشرفِ المخلوقات ہونے کا خلعت زیبا مرحمت ہوا۔ ضرور ہے کہ انسان کو کسی ایسے

بڑے کام اور اعلیٰ خدمت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ جس کے انعام وصلہ میں یہ بڑا منصب کہ وہ بایں ہمہ حاجت اپنی محتاج الیہ اشیاء پر فضیلت حاصل کرے۔ اور سب سے افضل واشرف قرار پاوے۔ عنایت ہوا تفصیل اس اجمال کی اور توضیح اس مقال کی یہ ہے کہ ہماری تمہاری حکمت وعلوم بمقام علم وحکمت باری عزّ وجل اس سے بھی کم ہیں۔ جیسے تابش ذرّہ بمقابلہ نور آفتاب، پس باوجود اس مرتبہ نقصان کے جبکہ ہمارا تمہارا کسی عاقل کا کوئی فعل عبث وفضول نہیں ہوسکتا۔ اُس قادر مطلق محیط کل کا جو عین علم ہے اور عین حکمت کیوں کر کوئی فعل عبث وفضول ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ وعزّ مجدہ کے افعال کا عبث ہونا کھلا محال ہے اور واضح۔

صاحبو! جیسے یہ مسلّم ہے کہ آگ جلایا ہی کرتی ہے بجھاتی نہیں۔ اس سے زیادہ یہ مسلّم کہ حکیم علی الاطلاق حکمت کا ہی کام کرتا ہے۔ عبث وفضول افعال کا اس سے سرزد ہونا اور مرتبہ وقوع میں آنا بیشک محال اور بے شبہ باطل۔ پس ثابت اور کھلا ثابت کہ انسان کو عبث اور نکمّا نہیں پیدا کیا اور جملہ اشیاء کو اگر انسان کے کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ تو ضرور انسان اپنے خالق کے کام کا ہوگا۔ اور اس کی بے شک ایسی مثال ہوگی جیسے گھاس، دانا، سائیس واصطبل وغیرہ وغیرہ جملہ گھوڑے کے لئے ہوتے ہیں اور اُس کے کام کے تو گھوڑا خود مالک ورئیس کے لئے ہوتا ہے اور اس کے کام کا۔ مگر چونکہ جناب باری عزّ شانہٗ بہمہ جہت کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں تو اس عین کمال کا کام اور اس کی خدمت بجز بندگی ونیاز مندی اور اطاعت وفرمانبرداری کے کہ جس کا نتیجہ وصول الی الجنۃ۔ ومقام رضاء خالق برتر ہے دوسرا نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کو خدمت خاصہ بندگی ونیاز مندی کے واسطے پیدا کیا ہے تا کہ وہ مستحق دخول جنت ہو۔ اور واصل بمقام رضاء۔ یہی دخول جنت ومقام رضا اس کی پیدائش کا مقصود اصلی ہے اور یہی عبادت و بندگی اس کے لئے سبب موصل اور وہ راستہ جس سے طریقہ عبادت وبندگی معلوم ہو۔ اس کے لئے راہ مستقیم ہے۔ پس انسان اگر اس راہ بندگی وعبادت سے جو اس کے مقصود اصلی کی راہ مستقیم تھی۔ برطرف ہو کر دوسری راہ لے۔ اور سبیل رشاد سے ضلالت وگمراہی کو اختیار کرے۔ تو یہ اس کی اعلیٰ درجہ کی محرومی ہے اور بے شک اس کی ایسی مثال ہوگی کہ کتاب جیسے کہ پڑھنے کے واسطے ہے اور وہی اس کے وجود سے مقصود ہے۔ مگر کوئی کتاب سے پڑھنے کا کام نہ لے اور اس کو جلا کر روٹی پکائے گو اس صورت میں روٹی

پکانے والے کا مقصود حاصل ہو گیا۔ مگر خود کتاب کے حق میں بڑی کم نصیبی ہوئی اور پوری محرومی اور خود ذات باری جل وعلیٰ چونکہ اپنے مرتبہ ذات وصفات میں بہمہ جہت کامل ہے۔ بلکہ عین کمال تو ہماری یہ جملہ عبادت و بندگی اور یہ تمام عبادت و فرمانبرداری خود ہمارے ہی حق میں مفید ہوگی اور یہ جملہ تمرّد و نافرمانی ہمارے ہی حق میں مضر اور اس کی ذات عین کمالات کو جل شانہٗ و تعالت عظمتہ نہ کسی کی عبادت سے کوئی نفع اور نہ کسی کے معاصی و نافرمانی سے کوئی ضرر۔ ہمارے تمہارے یہ اعمال نیک و بدفوارہ وار ہم ہی سے نکلتے اور سرزد ہوتے ہیں اور اعمال نیک کا اثر نیک یعنی دخول جنت و مقام رضا باری تعالیٰ اور اعمال بد کا اثر بد یعنی دخول جہنم و مقام غضب الٰہی خود ہم ہی پر پڑتا ہے اور خود ہم کو ہی اس سے تعلق ذات و صفات باری کو بہمہ جہت اُن سے اور ان کے آثار سے بے نیازی اور بہمہ وجوہ استغناء تعالیٰ شانہ وعزّ مجدہٗ اب یہ شبہ کہ اس بے نیازی کے ہوتے ہوئے انسان کو اپنی عبادت و بندگی کے واسطے کیوں پیدا کیا اور یہ عبادت اس کی پیدائش کی کیوں غرض ٹھیری اور مقصود اصلی امور نافعہ و مفیدہ کو بلفظ غرض و مطلب و بعنوان مقصود اصلی تعبیر کر سکتے ہیں ''نہ غیر مفیدہ کو''۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ غرض دو قسم پر ہے ایک وہ کہ نقصان فاعل پر مرتب ہو اور فاعل کو اس کے وجود سے خود اپنی تکمیل مقصود۔ مطلب یہ کہ نقصان فاعل رفع ہو۔ دوسرے وہ کہ خود کمال فاعل اس کا منشا مطلب یہ کہ دوسری اشیاء کی جو مرتبہ کمالات سے خالی ہیں تکمیل فرمائی جاوے اور اپنے فیوض کمالات سے ان کو مستفیض، مثال اگر درکار ہے۔ لیجئے فقراء محتاجین واشخاص ناقصین کی بوجہ تہیدستی و نقصانات اپنے استکمال میں اغنیاء زمانہ و کاملین وقت کے ساتھ جیسے کہ غرض وابستہ ہوتی ہے اور وہ ان کی فیض رسانی و داد و دہش کے محتاج اغنیاء زمانہ و کاملین وقت کی غرض اپنی عطاء و وجود میں فقراء و ناقصین کے ساتھ وابستہ ہے۔ فرق اتنا کہ منشا اول کا اگر نقصان و بے کمالی ہے تو منشاء ثانی کا عین کمال۔ افعال باری کا معلّل بالاغراض نہ ہونا غرض بالمعنی الاول پر مبنی ہے۔ نہ غرض بالمعنی الثانی پر اس تقریر سے واضح ثابت ہو گیا کہ عبادت و بندگی و اطاعت و فرمانبرداری انسان کا مقصود اصلی ہے اور جو راستہ کہ اس مقصود اصلی پر پہنچا دے اس پر چلنا صورت کامیابی، اور اس سے برطرف ہو کر دوسری راہ اختیار کرنا پوری محرومی۔ رہا یہ خلجان کہ اگر وجود انسان اصل ہوا اور اس کا خانہ زاد نہ کسی کے ارادہ سے صادر

ہو نہ کسی کی قدرت سے مخلوق نہ کوئی اس کا خالق اور نہ وہ کسی کا مخلوق۔ تو پھر یہ مدعا کیونکر ثابت اور یہ کہنا کیونکر صحیح کہ کسی کا حق عبادت اس پر واجب ہے اور یہی عبادت و بندگی اس کی پیدائش کا مقصود اصلی۔ سو سنئیے صفات کی دو قسمیں ہیں ایک بالعرض، دوسری بالذات۔ صفات بالعرض وہ کہ اپنے موصوفات سے جدا ہو سکے اور فیما بین اُن صفات اور موصوفات کے علاوہ دوئی و اثنینیۃ ہو نہ رابطہ اتحاد و عینیۃ اور بوجہ اس علاقہ اثنینیۃ و دوئی کے وہ اپنے موصوفات سے سابقاً اور لاحقاً انفصال کو قبول کریں۔ عدم سابق نیز ان کو محیط ہو۔ اور عدم لاحق نیز اور صفات بالذات وہ جو اپنے موصوفات سے جدا نہ ہو سکیں۔ اور نہ انفصال کو قبول کریں۔ ان کو اپنے موصوفات سے رابطہ اتحاد و عینیت ہو۔ نہ مثل صفات بالعرض علاقہ دوئی و اثنینیۃ وہ اپنے موصوفات سے کسی مرتبہ سابق یا لاحق میں انفصال و انفکاک کو نہ قبول کر سکیں۔ وجود ذات عین وجود صفات ہو اور عدم ذات عین عدم صفات یہ نہ ہو کہ وجود ذات کسی مرتبہ میں عدم صفات کے ساتھ پایا جاوے۔ قسم اول یعنی صفات بالعرض کا وجود جب مرتبہ سابق علی الوجود یعنی مرتبہ ذات موصوف میں نہیں تو ضرور وہ صفات ان موصوفات کی خانہ زاد صفات نہ ہونگی بلکہ مستعار من الغیر ہوں گی اور اسی غیر سے مستفاد اور اسی کا ظل عنایت اور پرتو کمال اسی کے لئے یہ جملہ صفات خانہ زاد ہونگی۔ اور وہ ہی ان صفات کے ساتھ موصوف بالذات یعنی وہ اپنے اتصاف بہٰذہ الصفات میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہوگا اور دوسرے سب اس کے محتاج۔ بالجملہ اس موصوف بالذات پر ان صفات عرضیہ کے وجود کا منتہی ہونا ضرور ہوگا اور کیوں نہ ہو۔ تسلسل وجود ما بالعرض سب کے نزدیک منجملہ محالات ہے اور انتہائے وجود ما بالعرض الی ما بالذات بحکم عقل سلیم عند الکل از جملہ واجبات۔ پس تمامی مخلوقات جن کا وجود نہ ازل سے ہے نہ الی الابد رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم اور تمامی کائنات پردۂ عدم میں مستور تھے اور ایک وقت وہ آنے والا ہے جس میں ہم سب نیست و نابود ہو جائیں گے اور نام و نشان ہم سب کا صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ پس یہ زوال اور انفصال یا علی ندا پکار رہا ہے کہ ہماری ہستی و وجود خانہ زاد نہیں مستعار ہے۔ اور مستفاد من الغیر اور جیسے کہ زمین کا نور پانی کی گرمی، آفتاب کے نور یا حرارت آتش کا فیض ہے اور اسی کی عطا ایسی ہی ہمارا تمہارا وجود نیز کسی ایسے کا فیض و عطا ہوگا۔ جس کا وجود خانہ زاد ہو اور اس کی صفت

اصلی حرارت و نور کا سلسلہ۔ جیسے آتش و آفتاب پر ختم ہوتا ہے اور عالم مخلوق میں کوئی آفتاب اور آگ سے اوپر ایسا نہیں جس کے فیض سے آفتاب منور ہو یا آگ گرم۔ ایسے ہی ہمارا رتمہارا وجود و ہستی جس کا فیض ہوگا اس پر سلسلہ وجود ضرور ختم ہوگا اور اس سے اوپر کوئی غیر ایسا نہ ہوگا جس سے اس کا وجود مستفاد ہوا اور اس غیر کا ظل و عکس بلکہ وجود حقیقی اس کی صفت اصلی ہوگی۔ اور وہی اس وجود حقیقی کے ساتھ متصف بالذات اسی موصوف بالذات کو ہم خدا کہتے ہیں اور سچا معبود۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ وجود انسان مخلوق ہے اور اس خالق برتر کا پیدا کیا ہوا۔ اور گویہ ثابت ہو چکا کہ انسان بغرض عبادت پیدا ہوا ہے اور یہ عبادت وفرمانبرداری اس کی خلقت کا مقصود اصلی۔ مگر دوسرے عنوان سے نیز یہ مدعا ادا ہوسکتا ہے۔

صاحبو! یہ ظاہر کہ کسی کی اطاعت وفرمانبرداری اور بندگی اور نیازمندی انسان سے کہ بے قیدی اور آزادی اسکا مقتضاء ہے۔ بغیر محبت ناممکن اور تاوقتیکہ اپنا نفع وضرر اس دوسرے کے دست قدرت میں نہ ہو کسی دوسرے کا مطیع ہو کر رہنا اور یہ بار گراں اطاعت وفرمانبرداری اپنے سر رکھنا نوع انسان کو دشوار اور مسلّم کہ وجوہ عشق ومحبت چار ہیں اور ان ہی چار میں منحصر، جمال وکمال، احسان وقرابت اور ہر ایک ان میں سے ایسی علت مستقلہ کہ ان میں سے ایک کا وجود بھی ولو کان بالعرض واسطہ محبت کے لیے کافی۔ باری عزّ وجلّ جمیل وکامل ایسا جس کا جمال وکمال اصلی حقیقی اور دوسروں کا جمال وکمال اسی کے عطاء وجود کا اثر۔ احسان اس مرتبہ کامل کہ بلا سابقہ استحقاق اپنے فیوض کمالات کے ساتھ مستفیض فرمایا۔ اور وجود اور کمالات وجود کے ساتھ ہم سب کو نوازا۔ قرابت ایسی قوی کہ وہ ہمارے مرتبہ ذات سے قوی تر اور ہمارے نفس سے قریب تر۔ اے حضرات جب کہ بشہادت عقل سلیم یہ ثابت کہ ہماری تمہاری ہستی و وجود و تمامی کمالات اسی خالق برتر کے وجود و ہستی کے ظل عنایت سے صادر اسی کے کمالات کے پرتو اور یہ مسلّم کہ ظل کا وجود ذی ظل پر موقوف بلکہ وجود و سائر کمالات جو حقیقتاً و اصالتاً اولاً و بالذات موصوف اصلی و ذی ظل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور ثانیاً و بالعرض و بطور مجاز موصوف بالعرض کے ساتھ قائم اور اس میں جلوہ گر۔ پس جیسا کہ مرتبہ مجاز و مرتبہ موقوف کو اپنے مرتبہ ذات سے یعنی مرتبہ موقوف علیہ اور مرتبہ حقیقت سے زیادہ قرب و وابستگی ہوتی ہے ایسے ہی ہمیں اور تمہیں اپنے مرتبہ ذات سے زیادہ اور قوی مرتبہ ذاتی

باری جل واعلیٰ سے قرب و وابستگی ہوگی اور بھی اس مرتبہ کے اپنی حقیقت اور ذات کے ادراک اصلی وعلم واقعی سے پہلے اس کا ادراک۔ ہاں قرابت نسبی ہونی یعنی قرابت بہٰذ المعنیٰ کہ کوئی اس کا باپ ہو یا اس کا بیٹا کسی کو اس سے رابطہ اخوۃ ہو یا رابطۂ بنوت ناممکن وتعالیٰ شانہٗ بے نیاز محض سبوح وقدوس ہر قسم کے عیوب سے منزہ ومقدس۔ مخلوقات سراپا عیب سراپا حاجت اور بالخصوص نوع انسان کہ سب سے زیادہ محتاج تر۔ حدوث وامکان وغیرہ عیوب کے سوا اکل وشرب وبول وبراز وغیرہ معائب میں ملوث۔ پس مخلوقات میں سے کسی کو ولو کان ملکاً و لو کان نبیناً و رسولاً۔ ان نقائص ومعائب اور ان حوائج کے ہوتے ہوئے اس سراپا کمال بے نیاز محض سے کیوں کر علاقۂ قرابت نسبی ہو سکتا ہے۔ حاشا ثم حاشا بڑی غلطی کی اور فاش غلطی کی جنھوں نے اس بدیہی فرق کو نہ سمجھا اور کسی مقرب کو اس کے قرب مرتبہ سے دھوکہ کھا کر اس بے نیاز محض کا بیٹا کہا یا بیٹی۔ کبرت کلمہ تخرج من افواھم ان یقولون الا کذبا۔ بالجملہ جب کہ ذات باری جل واعلیٰ میں یہ ہر چہار وجوہ محبت وعشق بالاصالۃ علیٰ وجہ الاتم والاکمل موجود۔ تو اس ذات عین الکمالات کے ساتھ ہر مخلوق کو علاقائے فریفتگی ومحبت ہونا ضرور اور ہر جذر قلب میں اس کی نار عشق ہونی لازم۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر ایک کے جذر قلب میں مومن ہو یا کافر مادۂ ایمان واطاعت جس کی تعبیر نار عشق وتخم محبت خداوندی ہے موجود۔

برائے سجدۂ محراب ابرو ☆ بدلہا ذوق ایماں آفریدند

نیز جب تمامی کمالات وجود وتوابعات وجود سب اس کی عطاء وجود ہے اور مثل عطاء سلب اس کا نیز مقدور اور نیز ہمارے نفع وضرر دونوں پر اس کو دست قدرت۔ پس وہی منعم حق ومعطی مطلق ان سب کا مالک اصلی ہوگا۔ اور حاکم حقیقی اور ہم سب اس کے مملوک ومحکوم اور نفع وضرر ہمارے دونوں اس کے مقدور۔ پس بحق مملوکیت اور محکومیت ہم سب پر اس کی اطاعت وفرمانبرداری ضرور۔ اور بحق مالکیت نفع وضرر اس کا حق عبادت وبندگی ہم سب پر لازم۔ اور بے شک نافرمانی اس کی بحکم بغاوت اور جبکہ ہم اپنے تمامی کمالات میں روحی ہوں یا بدنی، جانی ہوں یا مالی۔ بکل الاعتبار وبہمہ جہت اس کے عطاء وجود کے محتاج ہیں اور یہ سب اس کی عین عطا ہیں۔ یا اس کی عطاء وجود پر مترتب اور اس جملۂ عطاء وجود میں اس

عین کمالات کا نہ کوئی ساجھی نہ شریک۔ پس وہی وحدہٗ لاشریک لہ ہمارے تمہارے مراتب روح و بدن جان و مال کا مالک مطلق ہوگا۔ اور منعم برحق اور تصرفات کا تابع ملک ہونا اور علیٰ قدر الملک ناقصاً او کاملاً ان کا مرتبہ وقوع میں آنا خود مسلّم۔ پس اس مالک علی الاطلاق قادر و توانا کو بے شبہ ہر قسم کے تصرفات کا کہ جو چاہے سو کرے حق صحیح ہوگا۔ اور کسی کو نہیں پہنچ سکتا کہ اس پر کسی نوع تصرف کو واجب کہے اور کسی نوع کو ناجائز اور ناممکن۔ اس کے ہر نوع تصرف پر نہ کوئی اعتراض کر سکتا ہے اور نہ جرح یہ جب ہو سکتا ہے کہ ملک ناتمام و ناقص ہو نہ بہمہ وجوہ تام اور جب کہ وہ بہمہ وجوہ علی الوجہ الاکمل مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے وہ تصرف کر سکتا ہے۔ اعتراض کرنا اور جرح کا ورود کیوں کر صحیح۔ نیز اعتراض کرنا اور اس کے کسی نوع تصرف کو ناجائز کہنا خود اس پر موقوف کہ اعتراض کرنے والا حاکم ہو اور جس پر اعتراض کرتا ہے وہ محکوم۔ مگر شاید یہ خلجان ہو کہ گاہے رعایا حاکم پر بیٹا باپ پر، شاگرد مرید، استاد پیر پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ وہ جملہ محکوم ہیں نہ حاکم۔ سو اس کا یہ جواب ہے کہ یہاں پر بناء اعتراض نیز حکومت پر ہے یہ سب منجانب عقل اعتراض کرتے ہیں۔ یا منجانب شرع زبان ان کی ہوتی ہے۔ اور اعتراض یا قانون عقل کا ہوتا ہے یا شریعت کا۔ اور یہ ظاہر کہ عقل اور شریعت کے سب محکوم ہیں۔ اور عقل و شرع سب پر حاکم بالجملہ وہ خالق برتر چونکہ جملہ اشیاء کا بہمہ جہت و بہمہ حیثیت مالک برحق ہے۔ اور حاکم برحق اور سب اس کے مملوک و محکوم۔ اس پر ورود جرح کیوں کر صحیح لاریب اس کو حق صحیح ہے۔ کیف یشاء تصرف کرے۔ اس کا ہر تصرف صحیح و حق ہے۔ اور عین عدل۔ اس کے کسی نوع تصرف کو نہ ظلم کہہ سکتے ہیں نہ باطل و ناجائز۔ ظلم جب تھا کہ ملک غیر ہوتی اور اس ملک غیر میں تصرف۔ جب تمامی اشیاء اس کی ملک ہیں تو ظلم کہنا خود ظلم ہے۔ البتہ وہ مالک حقیقی گو قادر علیٰ کل شی ہے جو چاہے سو کرے مگر چونکہ حکیم علی الاطلاق ہے اور عالم بعلم کل رحیم ہے اور کریم۔ لہٰذا اس کا کوئی تصرف اور کوئی فعل خلاف حکمت نہیں ہو سکتا اور اس کی مشیت اور اس کا ارادہ کبھی ایسے تصرف کے ساتھ کہ خلاف حکمت ہو یا خلاف رحم و کرم متعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ کہ بمقتضائے حکمت کاملہ نظر بمجموعہ عالم بضرورت حسن مجموع بروں کو اچھوں کے ساتھ نیز پیدا فرمایا مگر جیسے کہ خط و خال اپنے مرتبہ ذات و مرتبہ تفرد میں گو قبیح و مذموم ہیں مگر مجموعہ چہرۂ محبوب کے

واسطے باعث افزونی حسن قاتل ظالم کا مارنا اور چور کا قطع ید (ہاتھ) کرنا گو قاتل اور سارق کے حق میں مذموم اور زبوں اور باعث بدنامی ہے مگر مجموعہ سلطنت کے واسطے و مجموعہ رعایا کے حق میں موجب انتظام و مورث حفاظت جان و مال۔ معہذا یہ برائی گو فی حد ذاتہ فی مرتبہ التفرد برائی ہے مگر مجموعہ عالم کے لئے باعث افزوئی حسن۔ نیز چونکہ اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی خاطر اپنے خلاف طبیعت کا کاربند ہو اور اس مخالفت نفس اور خلاف طبیعت کا درد اور دکھ جھیلے۔ اسی ضرورت سے مادۂ اطاعت کہ جزء ملکوتی اس کی تعبیر ہے۔ گو ہر انسان میں تھا مگر اس پر نہ اکتفا فرمایا۔ مادہ ہوا و ہوس و خواہشاتِ نفسانی کہ جزء بہیمی اس سے عبارت ہے اور مادہ عصیاں اور نافرمانی کہ جزء شیطانی اس کا عنوان۔ نیز اس میں زیادہ کیا اور ترکیب انسانی گویا ان تین اجزا اور تین اخلاط سے قرار پائی۔ گاہے اطاعت، گاہے ہوسہائے نفسانی کا صدور اور ان آثار متضادہ کا اپنے اپنے اوقات میں ظہور۔ اس دعوی کی عمدہ دلیل "**فان الواحد لا یصدر عنه الا الواحد**" ضرور ہے کہ حقیقت انسانی میں یہ تینوں موجود اور مقصود یہ کہ انسان باوجود ان نوازعات کے کہ اس میں جذبۂ معصیت و نافرمانی و جذبۂ ہوائے نفسانی موجود۔ مگر لازم کہ اپنے منعم حقیقی اور محبوب اصلی اور مالک برحق اور حاکم مطلق کی حق شناسی کرے۔ اور جزء ملکوتی کو ان دونوں جزء شیطانی و جزء بہیمی پر اس مرتبہ غالب کرے کہ سراپا اطاعت ہو کر رہیں اور سچا بندہ اور بشوق وصل محبوب حق اس کی سچی طلب میں ہر وقت اس مخالفت اور خلاف طبیعت کے درد و غم کی پوری برداشت کرے۔ اسی بنا پر نوع انسان کی تھوڑی عبادت باوجود مخلوط بالمعاصی ہونے کے لائق قدر ہوئی۔ اور اس کو بغرض عبادت و اطاعت پیدا کیا۔ اور گروہ ملائکہ جن میں سوائے مادہ عبادت کوئی جاذبۂ مخالفت نہیں باوجود ان کی کثرت عبادت خاصہ کے نہ یہ عظمت فرمائی نہ قدر و منزلت اور نوع انسان کو تمامی مخلوقات تو یکطرف نوع ملائکہ پر بھی فضیلت بخشی۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ☆ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

اس تقریر سے کھلا ثابت کہ انسان باوجود اس حالت کے کہ احتیاج الی الخالق ایک طرف مخلوقات میں سے ہر شے ادنیٰ و اعلیٰ کا محتاج اور ہمہ حاجت ہونا انسان کا گویا عنوان اور بر بناء ہمہ حاجت ہونے کے اس پر یہ بار عظیم کہ بندہ ہو کر رہے اور تمامی اوامر و نواہی رب برحق کا مکلف۔

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو ☆ وگرنہ ہم خدا ہوتے جو دل بے آرزو ہوتا

لیکن خالق برتر نے انسان کو اپنی خدمت خاصہ یعنی عبادت و اطاعت کے واسطے پیدا کیا ہے لہٰذا اس کے انعام وصلہ میں اس کو یہ خلعت زیبا مرحمت کہ تمامی مخلوقات پر اس کو فضیلت اور خلاصہ یہ کہ تمامی مخلوقات انسان کے واسطے اور انسان خود خدا کے لئے۔

ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار ☆ شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اس منصب عظمیٰ اور اس مرتب علیا کا بے شک یہ مقتضیٰ تھا اور ہے کہ جیسے پختہ و مضبوط مکانات اور عمدہ تعمیرات کی درستی و ریخت میں مکانہائے خام اور بوسیدہ و ناپسندیدہ کو صرف کرنا عین مقتضائے عقل اور عین مقتضائے حکمت۔ اس بیش بہا اعلیٰ درجہ کے بقاء و تعیش میں دیگر اشیائے دنیا کو اگر صرف میں لایا جاوے عین عدل ہو، اور عین حکمت بالغہ۔ اس اشرف المخلوقات نوع انسان کو اگر تمامی مخلوقات پر تصرف دیا جاتا زیبا تھا۔ مگر یہ بھی تقاضاء کرامت ہے اور مقتضائے حکمت کہ جس چیز کو یا جس تصرف کو فی حق الانسان مضر سمجھا اس کو ممنوع فرمایا اور جس کو نافع اس کو مباح۔

صاحبو! اس تقریر سے انسان کا مخلوق ہونا اور بغرض عبادت اس کا پیدا کیا جانا بخوبی ثابت و متحقق ہوا۔ رہی یہ بات کہ وہ راہ مستقیم کہ اس مقصود اصلی تک پہنچادے اور اس پر سلوک موصل جنت ہو اور موجب رضائے خالق برتر کیا ہے اور کونسا ''سو باللہ العظیم ثم باللہ العظیم'' سوائے دین حق اور مذہب صحیح و مقبول ''محمدی علیٰ صاحبہ الف الف صلوٰۃ و سلام'' کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے عقائد و اعمال کی غلطیاں باعث ترک رہ گزر نہ ہوں۔

صاحبو! اس دین مرضی کے دو اصول ہیں ایک توحید یعنی یہ اعتقاد کہ مستحق عبادت ایک ہے ''وحدہ لا شریک لہ'' نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ ساجھی دوسرے اقرار رسالت یعنی یہ اقرار و اعتقاد کہ ''محمد صلی اللہ علیہ و سلم'' اس کے رسول برحق ہیں اور سچے نبی۔ سو اگر انصاف ہو اور عقل سلیم سے کام لیا جاوے تو یہ دونوں اصول حقہ بداہت عقل سے ثابت اور عقل سلیم اس پر شاہد عدل اور سچا گواہ۔ یہ بات کہ معبود حق ایک ہے وہی سب کا خالق ہے اور وہی سچا مالک وہی محبوب حقیقی ہے وہی حاکم اصلی۔ تقریرات

سابقہ سے ان شاء اللہ خود ثابت۔ یعنی جب یہ ثابت کہ وجود جملہ کائنات ان کا خانہ زاد نہیں۔ بلکہ
ہے اور موصوف بالذات اور موجود بالوجود الاصلی کا ظل وعکس اعدام وجود و کمالات وجود گویا ممکنات
صفات اصلیہ ہیں اور وجود و بود و تمامی کمالات جو انوار کمالات باری ہیں آئینہ واران میں جلوہ گر وہ اپنی
ہستی ذات وصفات میں اس عین کمال ذات باری کے محتاج اور سائر کمالات اس ذات باری کے لیے
بالاصالت ثابت۔

چوں سایہ نمود اپنی تمہیں سے ہے وگرنہ ☆ کچھ ہم میں نہیں غیر عدم اور زیادہ

اور چونکہ سلسلہ وجودان تمامی موجودات بالعرض کا اس موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے لازم کہ
اس کا وجود اصلی ان تمامی وجودات ظلی کو محیط ہو اور اپنے وجود ہستی میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اس کے
جمیع کمالات خانہ زاد ہوں اور اس کا مرتبہ تحقق ذات عین مرتبہ تحقق صفات۔ لہٰذا بدائیۃً ثابت کہ وہ ذات
عین کمال وجود اصلی وحقیقی کے جملہ مراتب کو احاطہ کرے اور سب پر مشتمل ہو اور کوئی مرتبہ مراتب وجود
اصلی کا ایسا نہ ہو جو اس کے مرتبہ ذات کے واسطے نہ ثابت ہو۔ ورنہ جس مرتبہ وجود کا عدم ہوگا اس کے
ثبوت میں احتیاج الی الغیر ہوگی اور اس کا واجب الوجود اور موصوف بالذات ہونا غلط ہوگا۔ پس لازم کہ
اس واجب الوجود موصوف بالذات کے واسطے جملہ مراتب وجود اصلی ثابت ہوں۔ اور اس کی ذات عین
کمالات کا تحقق جملہ مراتب وجود اصلیہ کا تحقق ہو۔ اور واضح ثابت کہ جس کے جملہ مراتب وجود اصلیہ
اس کے لئے ہوئے اور کوئی مرتبہ مراتب وجود میں سے باقی نہ رہا تو لازم کہ غیر اس کا یا مرتبہ عدم بحت میں
ہو۔ یا موجود بوجود ظلی ہو ممکن اور مخلوق بندہ ہونا اس کو لازم اور اگر مرتبہ عدم بحت میں ہو تو وجود اس کا ممتنع
اور محال اور یہ عدم اس کا مقتضائے ذات۔ بالجملہ کھلا ثابت کہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور کوئی ایسا نہیں جو
مرتبہ ذات میں اس کا شریک ہو یا مرتبہ صفات میں۔ اور اس کا وجود یا اس کی کوئی صفت جو منجملہ توابعات
وجود ہو۔ اس کی صفت اصلی و ذاتی ہو۔ ممکنات کی ان صفات کو جن کا عادۃ اللہ کی بنا پر نہ انفکاک ہو نہ
زوال ذاتی کہنا یا از جملہ لوازم ذات مجرد اصطلاح ہے۔ ورنہ ممکن کے تمامی کمالات بالعرض ہیں اور اس
موجود اصلی کا ظل وعکس مجردات و مادیات وارضیات وسماویات سب اس بات میں مساوی۔ جس نے وجود

و بود اور یہ صفات عطا فرمائی ہیں کہ کوئی ان میں سے متحرک ہے۔ اور کوئی ساکن کسی متحرک کی حرکت علیٰ وجہ الاستدارہ ہے اور کسی کی علیٰ وجہ الاستقامت لا ریب وہ قادر ہے جب چاہے ان تمامی اشیاء کو فنا کرے اور ان کی صفات موجودہ کو جب چاہے توڑ اور جوڑ دے اور جب چاہے ان میں خرق والتیام واقع فرمائے۔ جلت ذاتہ وتعالت عظمتہ ذات باری کے سوائے کسی کو ازلاً و ابداً موجود کہنا یا اس قادر مطلق کی صفت ایجاد کو کسی غیر کے وجود پر موقوف بتلانا توحید ذات و توحید صفات باری کو باطل کرنا ہے بلکہ واجب اپنی صفت ایجاد و خلق میں چونکہ اس کا محتاج اور خلق کائنات اس غیر پر موقوف تو لازم کہ بوجہ اس احتیاج کے نہ واجب واجب ہو اور نہ مستحق عبودیت نیز وہ غیر اگر غیر مخلوق ہے تو کھلا شرک اور اگر مخلوق ہے تو خلق اس کا یا خود اس کے وجود پر موقوف۔ یا کسی دوسرے کے وجود پر۔ شق اول کو دور لازم اور شق ثانی تسلسل کو مستلزم اور دونوں باطل اور اگر صفت ایجاد و خلق اس کی کسی غیر پر موقوف نہیں تو خالق برتر کا اپنی صفت ایجاد و خلق کائنات میں محتاج الی وجود الغیر ہونا باطل۔

صاحبو! ایجاد اسی کو کہتے ہیں کہ نیست کو ہست فرمایا جاوے اور بجائے عدم و نیستی اس کو وجود و ہستی عنایت ہو۔ ممکن کا عدم اصلی نہیں۔ اور نہ ذات ممکن اس عدم کی علت مستقلہ اور نہ اس عدم کو مقتضی عدم تعلق ارادۂ باری اور عدم مشیت تعالیٰ جیسے اس کے عدم کی علت تھی ایسے ہی ارادہ و مشیت باری اس کے وجود کو مقتضی۔ بالجملہ وہ عدم زائل اور بوجہ وجود علت بجائے اس کے وجود قائم۔ یا جیسے محاورۃ نار سے پانی کی برودت مستور اور حرارت ظاہر۔ ایسے ہی ممکن کا عدم مستور اور بوجہ فیض باری وجود ظاہر کیونکہ ہست کو ہست کرنا تحصیل حاصل ہے اور کھلا محال اور ایک ہست کو دوسرے ہست سے ربط دینا تصویر ہے۔ نہ تخلیق مخصوص بذات الباری ہاں اہل صناعت کا اثر فعل و اثر صناعت یہی ہے کہ وہ ایک ہست و موجود کو دوسرے ہست و موجود کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ بالجملہ کھلا ثابت کہ ایجاد و خلق اسی کو کہتے ہیں کہ نیست و نابود کو موجود و خلق فرمایا جاوے۔ کھلا ثابت ہے کہ فعل خلق باری کسی دوسرے پر موقوف نہیں۔ اور نہ کوئی مخلوق ذاتاً ازلی و ابدی ہے۔ اور نہ صفاتاً۔ لاریب وہ ذات باری منفرد الذات ہے، و منفرد الصفات واحد۔ لا ندلہ ولا ضدلہ وہی مستحق عبادت ہے وہی خالق اور وہی محبوب حقیقی اور وہی اصالۃً جملہ کائنات کا

مالک اور وہی حقیقتاً سب پر حاکم تمامی کائنات ذرہ وار اسی کے اظلال عنایت سے موجود۔ پس اس محبوب حق منعم برحق مالک اصلی حاکم حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر لازم اور یہ حق اطاعت و حق بندگی و عبودیت ہم سب پر واجب الاداا ور یہ ظاہر ہے کہ حقوق واجب الادا کے ادا کرنے میں کوئی استحقاق اجر نہیں۔ بلکہ یہ جملہ عبادات و بندگی چونکہ بمقابلہ انعامات غیر متناہیہ باری ہیں۔ ہم اور آپ جن کا وجود وجود متناہی اور ایک مقدار زمانہ کے ساتھ محدود۔ پھر زمانہ تکلیف بعد البلوغ اور وہ بھی باین طور کہ جملہ اوقات شبانہ روزی میں کل پانچ وقت۔ پس ظاہر اور کھلا ظاہر کہ یہ عبادات قلیلہ بمقابلہ ان نعمائے کثیرہ غیر متناہیہ کے لائق اس کے بھی نہیں کہ قبول ہوں۔ چہ جائیکہ استحقاق اجر لاریب اس منعم برحق کی ذرہ نوازی ہے کہ مثل سلاطین عظام و شاہان دنیا اپنی رعایا کے تھوڑے نذرانہ کو جو اُس کے حقوق سلطنت کے مقابلہ میں نہ کوئی نسبت رکھتا ہے نہ اس کا خزانہ عامرہ اس کا محتاج۔ آنا نہ آنا اس کا دونوں مساوی۔ مگر یوں سمجھ کر کہ آخر اس نے اپنے کو رعیت سمجھا اور ہمارے حقوق سلطنت کی حفاظت کی نہ کبھی بغاوت کی نہ گاہے سرتابی۔ جو کچھ بن پڑا لے کر حاضر ہوا۔ قبول فرماتے ہیں ایسے ہی وہ منعم برحق ہماری اس بندگی اور اطاعت کی قدر فرماتا ہے اور بنا علی فضلہ الکریم اس کو قبول اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے صلہ و انعام میں جنت کہ جو ہر طرح کی نعمت اور ہر قسم کی لذات روحانی و جسمانی کا گھر ہے اس کی بشارت اور مقام رضا اور دولت دیدار کے ساتھ جس کو دولت وصال کہیے مبشر۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ جملہ قدر دانی رعایائے مخلص کے اخلاص و خلوص قلب کی بات ہے۔ ورنہ بصورت نافرمانی و سرتابی اور سرکشی مثل سزائے قید و جیل خانہ سزائے جہنم جو دار غضب الٰہی ہے اور ہر قسم کی شدائد و تکالیف شاقہ کا گھر سزایاب ہونا ضرور۔ اور اندیشہ غضب دائمی کے ساتھ خطرناک ہونا لازم۔ ہاں رعایا فرمانبرداری میں سے اگر کوئی کھوٹی عبادت پیش کرے یعنی وہ عبادات جن کے تمامی حقوق نہ ادا ہوئے ہوں اور بمقتضائے غفلت و کاہلی نہ بمقتضائے سرتابی و سرکشی کچھ معاصی نیز ان عبادات کے ساتھ ہوں اور وہ بندہ معترف بقصور ہو کر نادم ہو اور بہزار ندامت و نیازمندی اپنی تقصیرات کی معافی چاہے اور ان عبادات کاسدہ کی قبولیت تو جیسے شاہان دنیا اپنی مخلص رعایا کا کھوٹا نذرانہ تانبے کانسی کا روپیہ محض اس قدردانی پر کہ مخلص ہے باغی نہیں۔ حق سلطنت کی

عزت کی اور جو کچھ بن پڑا لے کر حاضر ہوا۔ کوتاہی ہمت ہے جو کھوٹے دام لے کر آیا ہے معترف بقصور ہے اور اپنی خطا پر نادم ہے بغاوت نہیں غفلت ہے یا کوتاہی ہمت اس کے کھوٹے نذرانہ کو قبول فرما لیتے ہیں وہ بادشاہ علی الاطلاق منعم برحق قادر مطلق جس کی رحمت بڑی وسیع، فضل وکرم بڑا عام وتام جواد وکریم رؤف ورحیم اگر ہماری کھوٹی عبادت کو بناءً الی فضلہ العظیم قبول فرماوے وبصورت ندامت یا بصورت سفارش اپنے کسی مقرب خاص کے ہماری تقصیرات اور خطاؤں سے درگذر۔ عند العقل السلیم متحقق الوقوع اور ممکن ہے اس کو محال کہنا و ناممکن سمجھنا اس کے کرم اور افضال وسیع پر بھاری دھبہ لگانا ہے اور شاہانِ دنیا سے اس کو ان صفات کاملہ رحم وکرم میں کم درجہ قرار دینا تعالیٰ شانہ وعز قدرہٗ بالجملہ تمامی رعایا پر افسر ہو یا غریب شریف ہوں یا رذیل اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ یہ ضرور کہ بغاوت وسرکشی سے پُر حذر رہیں اور جملہ حقوق بندگی واطاعت کو اپنے ذمہ واجب سمجھیں۔ روح وبدن چونکہ دونوں مخلوق ہیں اور دونوں اس کی رعایا و مملوک۔ دونوں پر حق عبادت وبندگی یکساں واجب ہوگا اور دونوں پر اس کا ادا کرنا ضرور۔ یہ نہیں کہ یہ خدمت خاصہ اور یہ حق سلطانی کہ عبادت وبندگی جس کی تعبیر ہے صرف متعلق بروح ہو اور عبادت صرف قلبی گمان اور طاعات روحانی کا نام ہو۔ بدن کو آزادی ہو اور مطلق العنانی۔ بیشک بدن کی مطلق العنانی اور اپنے مالک کے احکام سے سرتابی وآزادی بدن کے حق میں بغاوت ہے اور بے شبہ ضرور ہے۔ کہ جب سے بدن اور روح میں یہ علاقہ ہے کہ روح محل قوت علمیہ جس کے ساتھ مرتبہ عقائد کو تعلق اور بدن مظہر قوت عملیہ جس کو مرتبہ اعمال سے علاقہ قوت علمیہ حاکم اور قوت عملیہ محکوم۔ ایسے ہی روح نیز حاکم اور بدن وجوارح اس کے محکوم۔ پس عقائد حقہ وعلوم صحیحہ روحانی وعبادات قلبیہ کے آثار کا بدن وجوارح پر ترتب ضرور اور لازم کہ روح وبدن دونوں اپنے محبوب حق حاکم ومالک اصلی کے حقوق نیازمندی وبندگی کو پورا ادا کریں اور ہمہ اطاعات ہو کر رہیں۔ کسی کو جائز نہیں کہ اپنے کو اس کے احکامات سے بے تعلق رکھے اور آزادانہ بسر کرنے مگر اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی مرضیات اور ان امور پر جس کو وہ چاہے اور پسند کرے کاربند ہو اور اس کی نامرضیات اور ان امور سے جو اس کے خلاف طبیعت ہوں پر حذر رہے۔ مگر ظاہر کہ ہم اور آپ باوجود اس اتحاد نوعی کے کہ بشریت ولوازمات بشریت سب میں شریک سب کی ایک

اصل اور نسل دوسری کی مرضیات قلبی پر اطلاع نہیں پا سکتے۔ اور نہ ہماری تمہاری عقل اس بارے میں کافی۔ بے شک اس کی ضرورت کہ وہ خود ہی اپنی مرضیات پر مطلع کرے۔ خالق حق و خدائے برتر کی مرضیات پر باوجود اس تبائن حقیقت کے ہم اور تم کیوں کر مطلع ہو سکتے ہیں اور ہماری آپ کی عقل کیوں کر اس بارے میں کافی ہو سکتی ہے۔ عقل انسانی کا و لو کان کاملاً و لو کان صائباً۔ اس سے زیادہ کمال نہیں کہ وہ حسن و قبح اشیاء کو علی ماہی فی نفس الامر دریافت کرے۔ مگر کیا عجب جو چیز کہ حسن ہے لعارض قبیح ہو اور جو چیز کہ قبیح ہے۔ لعارض حسن اور لقبیحہ العرض او لحسن العرضی نامرضیات یا مرضیات خالق میں شامل۔ نیز جیسے کہ شاہان زمانہ و سلاطین دنیا گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند۔ اسی طرح ممکن کہ وہ بے نیاز قادر علی الاطلاق مالک کل جس چیز کو تم نے حسن سمجھا لقبیحہ العرضی عندہ تعالیٰ قبیح ہو۔ اور داخل نامرضیات اور جو چیز کہ ہمارے علم میں قبیح ہے لحسنہ العرضی عندہ تعالیٰ و تقدس حسن ہو اور مرضیات باری میں داخل۔ بالجملہ ممکن کہ ماموز عندنا منہی ہو اور منہی عندنا ماموز۔ لہٰذا ہماری تمہاری اور کسی صاحب عقل کی عقل اس بارہ میں کافی نہیں۔ بے شک اس کی ضرورت کہ وہ خود مطلع فرمائے مگر جیسا کہ شاہانِ دنیا و محبوبان و حکام مجازی ہر کس و ناکس کو اپنی مرضیات و نامرضیات سے مطلع نہیں فرماتے بلکہ مقربان حضرت و خواص درگاہ اول اُن مرضیات و نامرضیات سے مطلع ہوتے ہیں اور بوساطت اُن کے عوام، رعایا ایسی ہی ضرور کہ وہ محبوب حق حاکم برحق اپنے کسی ایسے مقرب کو جس کو علوم راسخہ و ملکاتِ فاضلہ پر محمول فرمایا ہو۔ اور اس کو لیاقت علمی و عملی اس مرتبہ کمال کے ساتھ رحمت ہو کہ اس کو تمامی موجودین وقت و مبعوث علیہم پر فضیلت ہو اور علوم راسخہ اور ملکات فاضلہ ایسے قوی کہ ہمہ اطاعت ہو کر رہنا اس کا شعار ہو۔ اور نامرضیات خالق سے حذر اس کا خلاصہ۔ مرضیات اور نامرضیات خالق پر بقدر اطلاع اس کو احاطہ سہل ہو اور مزاج شناسی محبوب حق کا پورا سلیقہ۔ بالجملہ جس کو یہ مرتبہ کمال نصیب ہو اس مقرب کو اپنی مرضیات و نامرضیات سے مطلع فرما دے۔ اول وہ مقرب مطلع ہو اور بوساطت اس کے ہم سب عوام۔ ایسے مقربان درگاہ اقدس اور خاصگان بارگاہ مقدس کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور وہ حکمنامہ جس کو وہ لے کر آتے ہیں کتاب آسمانی اور جو کہ اس حکمنامہ کو اور احکام باری کو تا برسول پہنچاتے ہیں ان کو گروہ ملائکہ اور جیسا کہ سلاطین دنیا اپنے خدام خاص کو

جو ہر وقت کے خدمتی ہوں اور پیشی کے کارکن اکراماً لھم و اعزازاً للوزراء فیما بین اپنے اور اُن وزراء کے سفیر قرار دیتے ہیں ایسے ہی بحکم لازمہ سلطنت اس سلطان الکل باری عز و جل نے اس گروہ ملائکہ کو فیما بین اپنے اور حضرات انبیاء کے صلوٰۃ اللہ علیہم واسطہ ہونے کے عزت بخشی اور منصب سفارت کے ساتھ ان کو نوازا۔ حکمت یہ کہ دوسروں کو آئین سلطنت کی تعلیم ہو۔ نیز نوع انسان کے واسطے یہ ضرور کہ نبی و رسول کو انھیں کے بنی نوع میں سے تسھیلاً علیھم و اعزازاً لھم مبعوث فرمایا جاوے تا کہ بوساطت اس نبی کے ان کو احکام خداوندی سمجھنا سہل ہو۔ اور بوجہ اتحاد نوعی کے اتباع اس نبی کا عملاً و علماً آسان یہ بھی عذر نہ رہے کہ یہ اور ہم اور فیما بین اُن کے اور ہمارے تبائن نوعی ان کے سے اعمال و افعال ہم کیوں کر سکتے ہیں اور ان کے سے عقائد و اعمال کے ساتھ ہم کیوں مکلف۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسی ضرورت سے نبی کا بلسان قومہ مبعوث ہونا ضرور ورنہ انوکھی زبان اور غیر محاورہ میں مطلب کا سمجھنا اور سمجھانا جس مرتبہ دشوار و متعذر ہے سب پر ظاہر۔ اگر اس کو ناممکن کہا جاوے اور تکلیف مالا یطاق کہ ساتھ معنون تو عین حق اور بالکلیہ صحیح۔ بالجملہ نبی کا از جملہ بنی نوع بلسان قومہ مبعوث ہونا ضرور اور ظاہر کہ نوع انسان میں مادہ و عوارض مادہ کا تحقق لازم۔ اور جب کہ مادی ہے یہ ناممکن کہ از جملہ مجردات ہو۔ البتہ جزء ملکوتی اور آثار جزء ملکوتی کو غالب کر کے اکمل الافراد ان میں کے یعنی حضرات انبیاء ملکوتی صفت بن سکتے ہیں اور باعتبار اصل حقیقت وہ حضرات اگر از جملہ نوع انسان ہیں تو باعتبار اس صفت عالیہ کے گویا از جملہ گروہ ملائکہ جو مجرد بحت ہیں اور نور محض۔ مادیات سے بہمہ جہت مغائر۔ ان کو مخلوقات مادیات سے اور بالخصوص اس اکمل الافراد سے جو ملکوتی صفت ہے باعتبار مخلوقیت وغیرہ اگر نوعی اتحاد ہے تو خود ذات باری سے باعتبار تجرد نوعی مناسبت۔ پس لازم کہ فیما بین باری عز و جل و نوع انسان اگر اکمل الافراد یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام واسطہ تبلیغ بین فیما بینہ تعالیٰ اور گروہ انبیاء یہ گروہ ملائکہ سفیر ہوں۔ پس ایسے مقربان و خاصگانِ خداوندی کو جن کو وساطت تبلیغ احکام کا منصب مرحمت ہوتا ہے، نبی اور رسول کہتے ہیں اور ان کے اس منصب اعلیٰ کی منصب نبوت و رسالت یا منصب نیابت و وزارت سے تعبیر اور ان کے کمالات و جمال روحانی علمی و عملی کا جن پر یہ منصب عظمیٰ مرحمت ہوتا ہے مدار نبوت عنوان۔ یہ کمالات

روحانی در حقیقت مدار نبوت ہیں اور معجزات۔از جملہ آثار نبوت ان کو مدار نبوت نہیں کہہ سکتے ہیں۔معجزہ خود اُس خارقہ عادت سے عبارت ہے جو اس کاتسا للمنکرین و اکراماً للنبی و تصدیقاً له بمقابله منکرین علی یدی النبی ظاہر فرمایا جاوے اس تعریف سے خود ظاہر کہ معجزات از جملہ آثار نبوت ہوتے ہیں نہ منجملہ مدار نبوت۔اثر شے بعد وجود شے ہوتا ہے۔اور مدار شے مقدم علی الشئے غرضکہ مدار نبوت ان کمالات روحانی پر ہے جو خاصتاً ان کو مرحمت ہوں اور منصب نبوت اس پر عطاء۔اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اکمل الافراد ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ مورد الطاف و انعامات عامہ خلق اللہ کی نسبت وہ زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے خالق کی مرضیات پر پورے ثابت قدم ہوں اور نا مرضیات سے پورے پُر حذر، مستحبات پر بھی عامل ہوں اور مکروہات کے نیز تارک فان الشکر علیٰ قدر النعمتہ ع

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

مگر ظاہر کہ بشریت و لوازمات بشریت میں حضرات انبیاء سب کے شریک ہیں۔اور ہر عبادت کے دو مرتبے روحی و جسمی پس ہوائے جسمانی و لوازمات بشری سے متمتع ہونے کی ان کو بھی اجازت ہوگی۔اور اکل و شرب اور نکاح و ازدواج وغیرہ وغیرہ حوائج سب ان کے حق میں نیز مشروع۔ورنہ درصورت محرومی از ہمچو حوائج عبادت جسمانی و خود بقاء جسم متعذر بلکہ بحکم اس امر کے کہ روح اصل ہے اور بدن وقویٰ بدن جملہ اس کے مظہر۔والظاهر عنوان الباطن۔پس جبکہ کمالات ان کے اس مرتبہ کمال پر ہیں۔قویٰ بدن ان کے نیز سب سے قوی تر ہوں گے اور ان کے لیے بنسبت عوام اگر بعض امور میں زیادہ توسیع ہو بجائے خود۔پس مرتبہ نبوت کو یہ ضرور نہیں کہ لوازمات بشریہ سے منزہ ہو۔اور مرتبہ ظاہر میں نیز سب سے بے ہمہ بلکہ بالیقین مرتبہ خلوت محضہ سے خلوۃ در انجمن دشوار ہے۔محبوبات دنیا سے باجود ان کے جاذبہ محبت و کشش الفت کے بقدر ضرورت مختلط رہ کر بقول شخص دل بیار و دست بکار قلبی علاقہ خود محبوب حق مطلوب حقیقی و مقصود اصلی سے رکھنا البتہ دشوار ہے اور سخت دشوار اور لا ریب قابل قدر ہے۔اور لائق ہزار مقبولیت

ہم ان کے زور کے قائل ہیں وہی شہ زور ☆ جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں

بالجملہ تجرد محض میں رہنا آسان ہے مگر ہوتے لوازمات و تعلقات زن و فرزند محو عشق الٰہی اور فنا

فی اللہ ہونا البتہ مشکل اور جبکہ یہ جملہ دین و مذہب اور یہ تمامی اوامر و نواہی اور یہ سب بندگی و طاعت اور یہ جملہ نیاز و اطاعت یا بمنزلہ نسخہ طبیب و معالجہ اطباء وقت ہے یا بمنزلہ قانون اشامپ و آئین صلاح و فلاح مملکت حکام۔ مطلب یہ کہ ہر شخص مہلکات و مضرات سے پرحذر ہو۔ اور بغاوت و سرکشی سے مجتنب تا حیات ابدی و نجات اخروی اور مقام رضا و ارتضیٰ نصیب ہو اور مورد الطاف الٰہی اور انعامات حاکم حقیقی بن کر مرتبہ قرب خاص کے ساتھ نوازا جائے اور جنت میں دوامی راحت و دیدار و وصال محبوب حق کا مستحق۔ جب یہ مثال مرکوز خاطر ہو چکی تو خود واضح ہو گیا ہوگا کہ نظر باختلاف امکنہ و ازمنہ و نظر باختلاف استحقاق و امزجہ و نظر بتغائر عادات و حالات و نظر بہ مغائرت عوارض و امراض جن کا تغائر خود مشاہد و نیز مقتضائے کمال علم و کمال حکمت خالق برتر تعالت قدرتہٗ وجلت عظمتہ ضرور و بے شبہ ضرور کہ ہر زمان و مکان و ہر نوع عوارض و امراض کا قانون معالجہ جدا۔ اور ہر نوع اشخاص رعایا کا قانون سیاست علیحدہ ہو۔ اور چونکہ ان جملہ قوانین معالجہ اور تمامی آئین سیاست سے مقصود صلاح و فلاح مخلوقات ہے اور گو یہ جملہ اوامر و نواہی اور یہ تمامی احکام شرعی علم باری پر مترتب مگر عین علم نہیں۔ اور نہ از جملہ صفات باری تا کہ ازلیت کو چاہیں یا ابدیت کو مقتضی ہوں۔ بلکہ ان سب سے جبکہ ہمارے امراض قلبی و عوارض بدنی و جسمانی کی اصلاح مقصود ہے۔ تو بیشک ہمارے تغیرات احوال تغیرات احکام کو مقتضی ہوں گے۔ اور ان احکام شرعیہ اور اوامر و نواہی دین کی تبدیل ہمارے تبدیل حالات و عادات کے تابع قانون شریعت کو جو بذریعہ وحی و الہام معلوم ہوتا ہے نہ بقاء ضرور نہ دوام لازم اور لاریب ضرور کہ ہر زمانہ و اشخاص زمانہ کا علیٰ حالہم قانون معالجہ جدا ہو۔ اور قانون سیاست جدا۔ اس حکیم علی الاطلاق محیط کل عالم بکل الاشیاء کا علم حق اسی شان اور عنوان کے ساتھ متعلق تھا کہ فلاں زمانہ اور فلاں اشخاص زمانہ کا قانون معالجہ و قانون سیاست و اوامر و نواہی وہ ہوں گے۔ اور فلاں کے واسطے یہ اُن اوامر و نواہی کا وہ زمانہ محدود۔ اور ان اوامر و نواہی کا یہ بالجملہ مرتبہ علم باری و صفات باری کو ازلیت و ابدیت دونوں ضرور۔ نہ مرتبہ تعلقات علمی و آثار عملی کو بلکہ مرتبہ تعلقات صفات باری و آثار صفات کا حدوث و تجدد ضرور۔ اور ان کو بوجہ تجدد تعلقات لازم۔ اب ثابت اور کھلا ثابت کہ جو نبی اور جو رسول کہ اس محبوب حقیقی معالج اصلی سلطان الکل کی طرف سے مبعوث

ہو۔ اگر فن خاص و معالجات خاصہ میں دستگاہ کامل رکھتا ہو اور انتظامات سیاست مخصوصہ میں ماہر ہو۔ تو وہ بنی نوع اشخاص کے تمامی معالجات و انتظامات کے لئے کافی نہیں اور نہیں ہو سکتا۔ علی مقتضائے العلم والحکمت اس کو زمانہ خاص اور قوم مخصوص کی طرف مبعوث فرمایا جائیگا اور اس کا زمانہ رسالت علم باری میں ضرور محدود ہوگا۔ جب دوسرے طرز معالجہ یا دوسرے قانون سیاست کی ضرورت ہوگی ضرور ہوگا کہ گو اس کا اصلی منصب محفوظ رہے اور اس کا اعزاز منصبی بحال خود۔ مگر اس کو کار منصبی اور اس خدمت سے برطرف فرما کر دوسرا رسول کامل الفن جو موجودہ ضرورت معالجہ اور انتظام سیاست کے بارہ میں پورا ماہر ہو مبعوث فرمایا جاوے۔ پہلوں کی بعثت چونکہ علم الٰہی میں اسی وقت محدود اور انھیں اشخاص معدودہ کے لئے تھی۔ اور انھوں نے اپنا وقت پورا کر لیا اور ان کے زمانہ خدمت منصبی و کار رسالت کی انتہا ہو چکی۔ دوسروں کی بعثت ان دوسروں کے زمانہ رسالت و کار منصبی کی ابتداء ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعارض کے واسطے جس پر نسخ حقیقی موقوف ہشت وحدات کا کہ از انجملہ وحدت زمانہ ہے ہونا ضرور۔ پس ہوتے اس اختلاف زمانہ واشخاص زمانہ کے شرائع سابقہ و لاحقہ میں کوئی تعارض نہیں۔ علم باری میں ہر ایک کے لئے زمانہ جدا تھا اور اشخاص زمانہ جدا۔ فیما بین ان کے نسخ حقیقی نہیں بظاہر ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ کہا جاتا ہے۔ بالجملہ دوسرے کی بعثت چونکہ دوسرے کے کار منصبی کا وقت ہے اور سابق اپنا وقت پورا کر چکے۔ لہٰذا جیسے کہ پہلے اشخاص کی صلاح و فلاح اور اُن کی معاش و معاد کا انتظام مبعوث سابق کے اتباع میں منحصر ہے۔ مسبوقین کی صلاح و فلاح اور اُن کی معاش و معاد کا انتظام جملہ مبعوث حال کے اتباع میں منحصر ہوگا۔ یہ اگر چاہیں کہ مبعوث سابق کا اتباع کریں یا آزادانہ بسر بیشک ناجائز اور عین بغاوت مورث تباہی ہوگا اور عین ہلاکت۔ ہاں وہ نبی کہ جامع کمالات ہو اور جملہ صلاح و فلاح و تمامی انواع ہدایات و انتظامات سے پورا آگاہ اور علی قدر قابلیت المخلوق ہر قسم کے کمالات علمی و عملی اور ہر نوع کے مراتب مزاج شناسی خالق برتر و حاکم برحق میں کامل واکمل تمامی مخلوقات میں سب سے افضل تو لاریب ایسے مبعوث کامل واکمل کی بعثت عامہ ہوگی۔ اور جملہ ازمنہ وامکنہ کو شامل۔ جملہ شرائع وادیان کو اسی کی شریعت کاملہ ناسخ ہوگی اور تمامی مخلوقات پر چھوٹا ہو یا بڑا اسی کی اطاعت اور اسی کا اتباع لازم۔ یہ ناممکن کہ بدون تصدیق رسالت واقرار سچائی مذہب وحقانیت شریعت

مطہرہ اس کی کسی کو۔ لو کان کذا و کذا طریق ہدایت ورشادوراہ فلاح ونجات وسبیل برگزیدگی اور وصول الی اللہ میسر ہو۔ ان کی شریعت غرّ ااوران کے دین روشن کا بقاء الی یوم القیامت ضرور۔ اور یہ لازم کہ وہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہو۔ اور اس کے بعد الی یوم القیامت کوئی دوسرا نہ مبعوث ہو نہ مرسل۔ اسی مجمع الکمالات پر سلسلہ نبوت ختم ہواور وہ ہی فی حق الکل سچا نبی اوراس مرتبۂ برگزیدہ کہ ع

بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا صحیح مصداق بے شبہ مقتضاء حکمت بالغہ حکیم مطلق اور مقتضائے تربیت برحق یوں ہی ہے کہ ایسا کامل اور اکمل اوراس مرتبہ کا افسر اعلیٰ وافضل سب سے بالآخر مبعوث ہواور خاصۂ ایسے وقت میں کہ بغاوت وسرکشی مثل ازمنہ سابقین تا بحدود واطراف نہ ہو بلکہ تا تخت گاہ سلطانی پہنچ کر خود دارالسلطنت کے مکان کو باغی بنا رکھا ہو مبعوث فرمایا جائے۔ تا دوسرے نیز اس شرف نبوت سے نہ محروم رہیں اوراس کی شریعت کاملہ کا نسخ ان شرائع غیر کاملہ سے نہ لازم آوے۔ اور گو بضرورت بشریت اس کو بھی نوع موت کا ذائقہ چکھنا ضرور اور یہ لازم کہ وہ بھی تلخی موت کے ساتھ ایک روز تلخ کام ہو۔ مگر چونکہ اس کی شریعت کاملہ الی یوم القیامت ہے۔ ضرور کہ اکناف عالم میں وہ علمائے راسخین پیدا ہوتے رہیں۔ جو اس کے نائب ہوں اور علی سبیل النیابت والخلافت اطراف واکناف میں اس کے دین پاک کی عام وتام اشاعت کریں۔ پس ضرور کہ ایسے نبی کامل واکمل کی سچائی پر گو معجزات باہرہ کثیرہ ہوں۔ مگر ایک ایسا قوی معجزہ نیز مرحمت ہو جو الی یوم القیامت اس گروہ علماء ونائبان رسالت کے ہاتھ میں بحال خود رہے اور نسلاً بعد نسلٍ اس کو بقاء ہوتا۔ بمقابلہ ان نائبان رسالت کے جو شخص اس کی رسالت کا منکر ہو وہ جانشینان رسالت اس کو پیش کرسکیں اور اس نبی برحق کی رسالت عامہ کو ثابت کر دکھائیں۔

صاحبو! وہ نبی کامل جو مبعوث الی کافۃ الانام ہو۔ اور مخلوقات موجودہ پر اس کا اتباع ضرور اور ہر ایک کی نجات اسی کی اتباع میں منحصر ہو سید الکائنات والانبیاء وخاتم النبین والاصفیا ہمارے نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ معجزہ باہرہ جو ان کے دعوئے رسالت کی الی یوم القیامت کافی دلیل ہے یہی قرآن پاک میں نے بحمد للہ تعالیٰ توحید ورسالت کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے خاتم المرسلین

ہونے کو ثابت کر دکھایا اور بحق اسی نیابت محمد صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کے جو گروہ علماء کو مرحمت ہوئی ہے۔ حاضرین مجلس سے پکار پکار کر عرض کرتا ہوں کہ اگر رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شک ہے قرآن پاک جیسا کھلا معجزہ موجود ہے۔ بسم اللہ آیئے اور اس فصاحت و بلاغت اور اس خوبیٔ تعلیم اور گذشتہ و آئندہ کے اخبار واقعیہ اور مغیبات کی اطلاع واقعی کے ساتھ کوئی ادنیٰ سورۃ موجودہ یا گذشتہ اشخاص کی طرف سے بمقابلہ اس کے پیش کیجئے اور جس سے چاہے مدد لیجئے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین اور درصورت عجز عن المقابلہ جیسا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک رہا اور ہے اور ان شاء اللہ آئندہ کو رہے گا۔ تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے اور ایمان لایئے۔

صاحبو! ہر زمانہ کے عام و خاص کاملین و ناقصین کا قرآن پاک کے مقابلہ سے عاجز رہنا اور بمقابلہ قرآن پاک ادنیٰ سورت بھی نہ بنا سکنا یا علیٰ ندا پکار رہا ہے کہ لا ریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں اور ان کا دعویٰ رسالت عامہ واجب التصدیق اور عین حق نجات۔ ہر ایک کی انھیں کے اتباع میں منحصر اور وصول الی المطلوب اور وصول الی المقصود اور وصول الی اللہ کے لئے انھیں کا دین قویم راہ مستقیم اور بغیر ان کی اتباع کے ہدایت ناممکن۔ مگر افسوس کہ بعض ایسی غفلت اور تعامی میں پڑے ہوئے ہیں کہ باوجود اس وضاحت اور ہدایت کے اس راہ مستقیم پر چلنا کجا۔ آنکھ کھول کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ہمارا مقصود خلقت کیا ہے۔ اور ہمارے لئے طریقہ ہدایت اور سبیل الوصول الی المقصود والمراد کیا بے شک موافق معروضہ سابقہ اشخاص عالم تین حال پر ہیں: بعضے وہ جنھوں نے اس راہ مقصود کو مضبوط پکڑا اور ثابت قدمی کے ساتھ اس پر چلے۔ نہ لغزش ہوئی نہ ذلت۔ جیسے خیار امت و خاصگان امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض وہ کہ گو وہ اس راہ مستقیم پر چلے۔ مگر نہ باستقامت۔ بلکہ دھکے کھا کر گرتے پڑتے، لغزشیں واقع ہوئیں اور ان کے اعمال حسنہ کے ساتھ اعمال سیہ نیز قلیل یا کثیر مخلوط ہوئے۔ جیسے عوام امت اور ہم جیسے نابکار اور بعض وہ جنھوں نے یہ غفلت کی کہ بہمہ جہت اس راہ مستقیم سے برطرف رہے اور اُن کے ظلمات وہم و خیال نے ان کے نور عقل کو ایسا باطل کیا کہ وہ بین الحق والباطل کوئی تمیز نہ کر سکے۔ بلکہ ان کی قوت وہمیہ اور قوت خیالیہ کی یہ غلط نمائی اور جزء بہیمی و جزء شیطانی کا یہ غلبہ کہ اختراعات وہم و خیال نے غلط کو صحیح کر دکھایا اور صحیح کو

غلط۔ اطاعت وفرمانبرداری سے ان کو نفرت ہوئی اور معاصی اور نافرمانی کی انھیں رغبت۔
صاحبو! ایک مثال کے بعد ان شاءاللہ یہ مطلب واضح سمجھ میں آ جائے گا۔ ہماری تمہاری بصارت کا جیسے اصل کام یہ ہے کہ وہ الوان اشیاء کو علی ماہی فی نفس الامر دریافت کرے جو سفید ہے اس کو سفید اور جو سیاہ ہے اس کو سیاہ دکھلاوے۔ اور فیما بین ان الوان کے سچی تمیز۔ مگر خلط صفراء یا خلط سودا جو مرتبہ اصل بصارت سے خارج ہے۔ مگر مرتبہ مجموعہ بدن میں داخل۔ اور انھیں اعتبارین مختلفین کے اعتبار سے اس پر یہ احکام متضادہ محمول۔ گاہے اُسی نور بصر پر اس مرتبہ غالب ہوتے ہیں کہ اس کا جو اصلی کام تھا بالکلیہ باطل ہو جاتا ہے۔ سفید اشیاء اس کو زرد نظر آتی ہیں یا سیاہ۔ ہمارا نور بصیرت یعنی نور روحانی اور نور قلبی جس کو مبدء علم صحیح کہتے ہیں۔ اور قوت علمیہ سے اس کی تعبیر اس کی خلقت سے یہ مقصود کہ بوساطت اس کے حقائق اشیاء کا علی ماہی فی نفس الامر انکشاف ہو۔ اور عقائد حقہ سے روح وقلب کو تعلق۔ باطل باطل معلوم ہو اور حق عین حق اور ظاہر کہ ایمان ان عقائد حقہ اور اعتقادات صحیحہ سے عبارت۔ تا برہنموئی ان عقائد حقہ و علوم صحیحہ کے باطل کو چھوڑا جائے اور حق پر عمل۔ غرضکہ قوت علمیہ پر مدار کار ایمان اور جز وملکوتی پر مدار اطاعت۔ مگر قوت وہمیہ وقوت خیالیہ کو جو مرتبہ جذر قلب سے خارج ہے مگر حوالی قلب وبالا قلب کو محیط اور ہمارے مجموعہ وجود میں داخل۔ وہ زور وغلبہ دیا گیا ہے کہ موقع پا کر قوت علمیہ وجزءملکوتی پر نیز غالب ہو جاتی ہے۔ اور اپنی اپنی ظلمات سے قوت علمیہ کے نور صرف وجزءملکوتی کہ میل اطاعت کو مضمحل بلکہ کان لم یکن کر دیتی ہے۔ قوت علمیہ کا نور علم علم صحیح کے لئے اگر مبدءانکشاف ہے تو قوت وہمیہ وقوت خیالیہ بصورت اپنے غلبہ کے ضلالت وعلم غلط کے واسطے مبدء صحیح نیز جزءملکوتی پر اگر مدار رغبت اطاعت وبندگی ہے تو جزءبہیمی وجزءشیطانی پر مدار میل نافرمانی وانہماک فی الہوس اور بمقتضائے حکمت باری وبمقتضائے وسعت قدرت وملک تام بعض کو اس حالت پر محمول فرماتے ہیں کہ ان کو قوت وہمیہ وخیالیہ وجزءشیطانی و بہیمی کا اس مرتبہ حصہ زیادہ وقوی دیا جاتا ہے کہ وہ ادنیٰ غفلت اور تھوڑے تمرن واعتبار کے بعد بتحریک شیاطین واصحاب شیاطین باثر صحبت بد قوت علمیہ وملکوتیہ پر غالب ہو جاتے ہیں۔ اور عند سلطان الوہم والخیال صور جزیہ ناواقعیہ جو باختراع الخیال پیدا ہوئی ہیں اور معانی جزیہ ناواقعیہ باختراع الوہم ان کی

باہمی ترکیب سے ایک شے ناواقعی صورت پذیر ہو جاتی ہے۔ اور بوجہ غلبۂ وہم وخیال وہی حق معلوم ہوتی ہے اور غلط کاری وہم وخیال کا یہ اثر کہ غلط بصورت صحیح اور باطل بصورت حق نمایاں ہوتا ہے اور حکم نفس الامری جو قوت علمیہ کے نور صرف کا کام تھا۔ کان لم یکن ہو جاتا ہے دیکھ لیجئے فیما بین الجدارین جو ایک خلاء ہوان جدارین پر اگر کوئی ایسی موٹی رسی جس کی چوڑائی و مسافت عرض دونوں قدم رکھنے اٹھانے کو کافی ہو۔ مضبوطی کے ساتھ باندھی جائے یا فیما بین ان کے کوئی چوڑی کڑی لوہے وغیرہ کی رکھ دی جائے۔ عقل حکم کرتی ہے کہ بے خطر ہو کر اس کڑی اور اس رسی پر چل کر مسافت طے کی جائے مگر قوت وہمیہ وخیالیہ غالب ہو کر اس حکم عقلی کو باطل کر کے اپنا یہ حکم کہ اس پر چلنا ہر گز جائز نہیں بے شک گر کر ہلاک ہونا ہے اس مرتبہ غالب کرتی ہے کہ بمقابلہ اس کے وحکم عقلی صحیح غلط ہو جاتا ہے اور یہ حکم غلط صحیح۔ چلنا ایک طرف چلنے کی طرف رخ بھی نہیں رہتا۔ علی ہذا جن پر قوت وہمیہ وخیالیہ وجزء بہیمی اور شیطانی کا غلبہ ہوتا ہے نافرمانی ان پر غالب ہو جاتی ہے اور معاصی کی طرف مائل راہ مستقیم پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔ راہ کج ان کو سیدھی مستقیم معلوم ہوتی ہے اور باطل ان کو حق قسم ثالث کے مصداق صحیح وہی ہیں۔

صاحبو! پہلی قسم کے حضرات بوجہ اپنی استقامت کے جیسا کہ مبشرات حقہ و وعدہ ہائے صادقہ حق جل وعلا کی بنا پر اس کے مستحق کہ ہمیشہ مورد انعامات ہوں۔ اور جن لذات کو بمطلب رضائے محبوب حق انھوں نے چھوڑا تھا وہ جملہ باحسن الوجوہ پاک وصاف ہو کر ان کو جنت میں ملیں۔ اور دولت دیدار و مقام رضا ان کو نصیب ہو۔ ایسے ہی دوسرے قسم کے اشخاص جنھوں نے اعمال سیہ کو اپنی عبادات واعمال صالحہ کے ساتھ ملا رکھا ہے اور ہوا و ہوس کے دھکے کھا کر گرتے پڑتے اس راہ مستقیم پر چلے ہیں اور ادا حق کامل سے قاصر رہے ہیں۔ مگر اپنے قصور کے معترف بلکہ نادم۔ ان کی نسبت بھی نظر بوسعت رحمت ونظر بافضال بے نہایت ونظر بعنایت علیٰ الکل ونظر بقدرت علی الکل یہ متوقع کہ خواہ اپنے رحم و کرم سے اور خواہ پاس خاطر سے کسی مقرب کے ان کے کھوٹے اعمال قبول فرماویں اور جنت میں داخل۔ مگر قانون سیاست بیشک اس کو مقتضی کہ ان کے اعمال زبوں پر چندے سزائے جہنم اور اُس جیل خانہ ہولناک کی قید ضرور ہو۔ اور بالآخر بحکم عقائد حقہ اور اعمال حسنہ دولت وصول جنت نصیب ہو مگر قسم ثالث کا فی النار ہونا اور نجات

ابدی سے ان کی محرومی ضرور۔ جولوگ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور بعد تصدیق رسالت ان کی شریعت مطہرہ کے احکام اور اوامر ونواہی کو انھوں نے اپنے سر وآنکھوں پر نہیں رکھا۔ بے شک وہ مصداق صحیح ہیں اس قسم ثالث کے۔

صاحبو! پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میرا ان تمامی معروضات سے کوئی مطلب ذاتی نہیں۔ صرف بحق اخوت واتحاد نوعی آپ حضرات کی خیر اندیشی اپنا مقصود ہے۔ اور اسی حق ہمدردی پر ان معروضات کی بنا ہے۔ پس بہزار نیازمندی پھر گذارش ہے کہ یہ زمانۂ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بغیر اتباع محمدیؐ نجات کا ملنا محال۔ اگر سچی نجات کی طلب ہے وہم وخیال کے اتباع کو چھوڑو۔ اور عقل صحیح اور قوت علمیہ سے شبانہ روزی مزاولت کے ساتھ اس مرتبہ (درجہ) کام لو کہ وہ غالب ہو اور وہم وخیال کو اپنا تابع کر چھوڑے حق کو حق دکھلادے اور باطل کو باطل۔

صاحبو! انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ رسالت کو یعنی اس منصب کو کہ وہ بیشک مبعوث من اللہ ہیں جو کچھ کہتے ہیں من اللہ کہتے ہیں۔ نہ من عند انفسہم وافتراء علی اللہ۔ معجزات باہرہ ودلائل قویہ کو جن کے مقابلے و معارضے سے منکرین عاجز ہوں۔ قائم کر کے جب خود اُن کے دعوی رسالت کی سچائی فرمائی جاتی ہے اور ان کے نبی اور رسول ہونے کو تسلیم تو اب ان کی اتباع سے انکار اور ان کی رسالت کی عدم تصدیق دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ اشخاص منکرین اپنے کو اور اپنے وجود وبود کو بہمہ جہت مستقل جانتے ہیں اور غیر مخلوق اور انعامات حق خالق برتر سے جن پر بناء حق عبودیت ہے بالکل مستغنی۔ اور یا اپنا وجود وبود اور اپنا خلق دوسرے خالق کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں اور اسی دوسرے کا حق عبودیت اپنے پر لازم اور ظاہر کہ دونوں شقین کھلی شرک کو مستلزم وعلی کلا الشقین اقرار توحید باطل۔ پس ثابت اور واضح ثابت کہ اقرار توحید کو اقرار رسالت نیز لازم اور رفع لازم۔ چونکہ رفع ملزوم کو مستلزم لہٰذا انکار رسالت انکار توحید کو نیز مستلزم۔

صاحبو! بالیقین جانو کہ بغیر اقرار رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صاحبوں کا اپنے کو موحد کہنا غلط ہے۔ بے شک شرک ہے اور شرک کو مستلزم۔ اب شاید یہ خلجان ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علوم راسخہ وملکات واخلاق فاضلہ میں کامل واکمل اور سب سے اعلیٰ وافضل ہونا کیونکر ثابت اور آپ کی تعلیم میں

کیا خوبی۔ سو میں ناکارہ ژولیدہ بیان کہ جس کو نہ کمال علمی نصیب نہ کمال عملی حاصل۔ ان معارف الٰہیہ و مواہب لدنیہ یعنی ان علوم راسخہ و ملکات فاضلہ کی کہ قلب محمدی جن کا مخزن تھا اور معدن۔ اس تھوڑے سے وقت میں کیا تفصیل کر سکتا ہوں اور بجز اس اجمال کے کہ جو جو کمالات دوسروں میں فرداً فرداً تھے۔ اس مرکز کمالات میں سب مجتمع تھے اور عالم مخلوق میں وہ منفرد الذات والصفات اس مصرع کا مصداق صحیح ۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کیا کہہ سکتا ہوں مگر تا ہم ''اندکے از بسیارے'' ''و مشتے نمونہ از خروارے'' آپ کے فضائل علوم و محاسن اخلاق و احوال کو اپنے علم ناقص کے اندازہ کے موافق کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں اور آپ کی سوانح عمری کی ایک گونہ تفصیل۔

سو سنیئے! اور بنظر انصاف سنیئے آپ ایسے زمانۂ پُر آشوب میں مبعوث ہوئے کہ جہالت و ضلالت کا پورا زورتھا اور کفر و شرک کو پورا جوش۔ کفر و شرک بغاوت و سرکشی کا اثر ''تا باستانہ عالیہ'' پہنچا ہوا تھا۔ جاہلان عرب نے خود دارالسلطنت و دربار شاہی یعنی ''خانہ کعبہ'' کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور خود حاضر باشان درگاہ اقدس و ساکنان ''مکہ معظّمہ'' شرک و کفر میں مبتلا اور وہ بھی اس مرتبہ (درجہ) کہ ایک نہیں دو نہیں بقدر شمار ایام سال ''خانہ کعبہ'' میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے اور بقول شخصے۔

ہر روز انہیں چاہیئے اک تازہ خریدار ☆ صورت میری ہر روز بدل جائے تو اچھا

ہر دن کے لئے نیا بُت تھا۔ ملک عرب کی یہ جہالت، یہ بد اخلاقی کہ باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا دشمن اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا۔ عرب کی جہالت، عرب کی خانہ جنگی ضرب المثل۔ آپ کی وہاں ولادت اور وہاں بعثت۔ اور وہ بھی اس حال میں کہ نہ باپ سر پر نہ دادا کی۔ چچا کی سرپرستی اور تربیت میں پرورش پائی۔ یہ حالت کہ فقر و فاقہ پر مدار سال ولادت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسب دستور قریش و حسب رواج اہل مکہ قرب و جوار کی وہ عورات کہ مدار قوت ان کا بچوں کو پالنا ہے اور ان کو دودھ پلانا۔ جب مکہ میں آئیں دوسروں کے شیر خوار بچے ان دایہ عورات نے لے لئے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ لاوارثی و ناداری چھوڑا۔ ''حلیمہ سعدیہ'' نے جس کے نصیب میں یہ سعادت تھی

حسب اتفاق وقت جب دوسروں کے بچوں سے محروم رہیں تو انھوں نے بنام خدا آپ کو لینا قبول کیا اور شرف عظیم رضاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو حاصل ہوا۔ اس بیکسی کی حالت میں خود آپ کی پرورش بھی عجیب تر تھی۔ سامان علم و تہذیب و سامان ترقی کہاں تھے؟ اور کیونکر میسر۔ بقول شخصے نہ یارے نہ مددگارے نہ زور نہ زر۔ بلکہ آپ محض امّی رہے۔ اور پڑھے لکھوں کی صحبت تک بھی میسر نہ ہوئی۔ اس پر جب آپ نے بعد بعثت کلمہ توحید کی تبلیغ کی اور شرک کی بیخ کنی کی ہر زن و مرد چھوٹا بڑا آپ کا دشمن ہو گیا۔ اور جو اذیتیں آپ کو دیں سب کو معلوم۔ آخر یہ نوبت کہ اپنا وطن یعنی ''مکہ معظّمہ'' چھوڑنا پڑا۔ بایں ہمہ بیکسی و بیگانگی امّی اور ان پڑھ ہو کر ملک عرب کو اپنے کمالات علمی و عملی کے ساتھ اس مرتبہ (درجہ) ممتاز فرمایا اور اس درجہ کا مہذب کہ ان کا علم اور ان کی تہذیب ضرب المثل ہو گئی۔ شرک کی وہ بیخ کنی فرمائی کہ تمام ''جزیرۃ العرب'' میں گو اور معاصی ہوں۔ مگر شرک نہ اب تک ہوا اور نہ ان شاء اللہ آئندہ کو الی یوم القیامت ہو۔ وہاں کی عوام و جہال کی وہ پختہ توحید کہ دوسری جگہ کے علماء و خواص کو بھی نصیب نہیں۔ قبائل کے قبائل جن میں دوامی بعداوت تھی ان کا باہمی عناد اور فساد بوجہ توارث و دوام کے گویا جبلی ہو گیا تھا۔ جیسے ''اوس و خزرج'' آپ کے فیض صحبت اور آپ کے اخلاق حمیدہ کی بدولت ایک جان دو قالب ہو گئے اور شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ سلاطین وقت نے (ملک حبشہ) فریفتہ کمالات ہو کر قبل الہجرت اسی حالت بیکسی میں آپ کی اطاعت قبول کی اور مشرف باسلام ہوئے اور اس مرتبہ جان نثار کہ بعض خدام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی گروہ مومنین نے ایذائے ''مشرکان مکہ'' سے تنگ آ کر جب اس کی طرف ہجرت کی اور اس نے ان غربا مومنین پر اپنا جان و مال صرف کرنا اپنی سعادت سمجھی۔

صاحبو! یہ جملہ اثر نیک علوم راسخہ و ملکات فاضلہ محمدی اور آپ کے اخلاق کاملہ کا تھا یا اور کچھ؟ پھر کمالات علمی اور عملی جملہ وہی یعنی جملہ من اللہ مواہب لدنیہ اور معارف الٰہیہ ان کی تعبیر صحیح۔ نہ مثل دوسروں کے اکتسابی یعنی ایسے کہ کسی سرپرست کی نیک تربیت کا اثر ہوں۔ کسی مرشد اکمل اور استاد کامل کی خدمت اور فیض صحبت کا نتیجہ۔ پھر اگر تمامی مخلوقات کے علوم سے فائق ہوں اور سب سے افضل تر کیا تعجب کجا علوم مقدس کجا علوم دیگر ع

چہ نسبت ست سُہا را بتابش خورشید

اور چونکہ آپ کو عین جہالت کے زمانہ میں مبعوث فرمایا اور ایسی بڑی جہالت اور بے تہذیبی کی اصلاح آپ کی بعثت کا مقصود اور ایسی بڑی تہذیب اور کامل اصلاح کا اس پر ترتب۔ لہٰذا بے تکلف ثابت کہ آپ کا علم وحی ولدنی دوسروں کے علوم واہبہ سے بہتر وافضل۔

صاحبو! کسی کی سچی بزرگی ومقبولیت اور اس کے اصلی با کمال ہونے کا یہ بڑا ثبوت کامل ہے کہ اس کے گھر کے لوگ اور اہل قرابت زن وفرزند بھائی برادر اور اس کے ہر وقت کے خدمتی یاران مجلس و حاضر باشان خدمت کو اس کے ساتھ خالص عقیدت ہو۔ دل وجان سے اس کے فریفتہ کمالات ہوں اور جان ومال سے اس پر شیدا۔ چند روزہ صحبت کو اغیار کے ساتھ اخلاق وعادات حمیدہ اور اعمال واحوال حسنہ مصنوعی ظاہر کر کے گذارنا سہل اور مصنوعی طور پر اُن کے سامنے بزرگ بننا آسان مگر ہر وقت کے حاضر باشان خدمت جن کو درونی وبیرونی معاملات وعادات سے پوری اطلاع ہوتی ہے اور ان پر کوئی حالت ظاہری وباطنی مخفی نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ وہ ملکات فاضلہ جبلّی واصلی نہ ہوں۔ بے شک فریفتہ کمالات سچے مخلص وپورے عاشق نہیں ہو سکتے۔ آپ اہل بیت اطہار واصحاب کبار محمدی وحاضران خدمت اقدس نبویؐ کے اخلاق حمیدہ دیکھئے کہ دوسروں پر اپنے سے زیادہ مہربان آپ فاقہ کریں اہل وعیال اور گھر کے اطفال کو فاقہ میں رکھیں مگر دوسروں کو بحالت فاقہ نہ دیکھ سکیں۔ اور چونکہ رسول برحق وخالق حق سے ان کو سچی محبت اور پورا عشق لہٰذا یہ سچا اثر ان کے رگ وپے میں پورا ساری کہ وابستگان حضرت ایزدی وجاں نثاران درگاہ محمدی کے ساتھ ان کو بمرتبہ کامل محبت اور مخالفان درگاہ اور اہل بغاوت سے پوری عداوت۔ "اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔" ان کی شان یہ بات کہ بحکم اتحاد نوعی سب کو ایک نظر دیکھنا ضروری ہے اور ہر کسی کے حال وقال اہل وعیال کا نقصان ناگوار خاطر ہونا۔ بحکم فطرت لازم غلط۔

صاحبو! "الشیٔ اذا ثبت ثبت بآثارہ ولوازمہ" بے شک مرتبہ عشق خداوندی اور مرتبہ محبت خالق برتر کو یہی لازم ہے اور از جملہ ضروریات کہ وابستگان محبوب حقیقی یعنی رب برحق سے محبت ہو اور مخالفان محبوب سے عداوت اور یہ وہ سچا علاقہ قوی اور محکم ہے کہ کوئی علاقہ نسبی ہو یا اتحاد نوعی اس پر

غالب نہیں اور نہیں ہوسکتا۔ اس کے خلاف کو حکم فطرت کہنا فطرت صحیحہ اور سلیمہ کے خلاف ہے اور مخالفان محبوب سے نفرت نہ ہونی اور ان کو ایک نظر سے دیکھنا بے شک مرتبہ عبودیت و بندگی کے مخالف ہے۔ ان حضرات کی یہ شان کہ ان کو اپنا جان و مال آپ پر آپ کی مرضیات میں صرف کرنا سہل۔ اپنے بچوں کو یتیم اپنی عورتوں کو بیوہ کرنا آسان۔ پھر آپ سے جس کو زیادہ قرب و وابستگی اس میں یہ اثر زیادہ قوی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ کو دیکھئے سارا مال کس خوش دلی اور سچے اخلاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات میں وقف کیا۔ آپ کے یار غار صدیق اکبرؓ کو دیکھئے تمامی اثاث البیت جملہ مال حبہ حبہ کرکے حاضر خدمت کر دیا اور آپ پر قربان اور فاروق عادلؓ نے نصف مال۔ عثمان غنیؓ کا مال مصارف خیر و مرضیات خالق میں بمرات وکرات کام آیا۔

صاحبو! اس پریشانی حال میں ان حضرات کا یوں کام آنا یہ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نیک تعلیم اور حاضر باشان خدمت کی سچی عقیدت اور سچی محبت اور اخلاص کا اثر تھا یا کچھ اور۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بھی تمامی گروہ صحابہ و جملہ اہل بیت و ازواج مطہرات کو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ اعلیٰ و افضل سمجھتے ہیں اور ان میں سے ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ حسن عقیدت اور سچے اعتقاد کو اپنے حق میں سرمایۂ سعادت۔ آپ کی خوبی تعلیم اس مرتبہ (درجہ) کہ بعد بعثت تھوڑی مدت میں اپنے دین قویم کی کہیں سے کہیں اشاعت فرمائی اور بعد وفات اپنی تعلیم کا وہ سچا اثر چھوڑا کہ بغیر سامان حرب وضرب وبغیر قوت زور و زر فقر و فاقہ کی حالت میں افضال خداوندی کے بھروسہ پر تھوڑی جماعت صحابہ کو سلاطین کا مقابلہ کرنا سہل ہوا اور اکناف عالم میں اس دین پاک کی روشنی پھیل گئی۔ خزائن سلاطین غنیمت میں داخل ہوئے اور پھر وہ سچا اثر اب تک باقی کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس دم تک وہ روشنی پھیل رہی ہے اور پھیلتی جاتی ہے۔ زمانۂ حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض سلاطین زمانہ آپ کے آستان عالیہ کے غلام ہوئے اور فتوحات کی ہر طرف سے آواز۔ مگر آپ کا زہد فی الدنیا اس مرتبہ (درجہ) کہ حضرت عائشہؓ زوجہ مطہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتی ہیں کہ مہینوں آپؐ کے گھر میں نہ چراغ جلتا تھا نہ آگ روشن۔ مدار قوت پانی اور کھجور ہائے مدینہ پر۔ بیشتہ کھانا آپ کا جو کی روٹی تھی۔ کبھی آپ نے اور آپ کے اہل بیت

نے گیہوں کی روٹی متصل تین روز تک نہیں کھائی اور نہ کبھی پوری شکم سیری کے ساتھ آپ کو اور آپ کے عیال کو کھانا ملا۔ ہمیشہ موٹے قسم کا لباس پہنا یہ بھی عادت تھی کہ بجائے نرم روئی کے آپ کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا۔ اس میں کھجور کے پتّے کوٹ کر بھرے جاتے تھے۔ وہ لباس پاک جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں موٹی قسم کا تھا اور اس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے شدت بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھلایا۔ آپ نے پیرہن شریف کا دامن اٹھایا اور دکھلایا کہ تمہارے اگر ایک پتھر بندھا ہوا ہے تو دیکھ لو کہ محمدؐ کے شکم پر دو پتھر ہیں۔ ہاں عبادات و مرضیات خالق میں یہ سرگرمی کہ راتوں کھڑا رہنا اور عبادات و ریاضات شاقہ میں بسر کرنا حتیٰ کہ قدمہائے شریف پر ورم آ گیا۔ صحابہؓ نے غم کھا کر عرض کیا کہ آپؐ سے محبوب باری بہمہ جہت راضی آپ کیوں اس مرتبہ (درجہ) ریاضات شاقہ کرتے ہیں۔ فرمایا ''افلا اکون عبدا شکورا'' مطلب یہ کہ جب میں یوں مورد الطاف ہوں اور یوں بے نہایت انعامات کے ساتھ مجھ کو نوازا گیا ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ کمال درجہ شکر کروں اور سب سے زیادہ عبادت ع شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے۔ فرمایا ''قرآن پاک'' یعنی اوامر قرآن پاک پر آپ کاربند تھے اور نواہی قرآن کے تارک۔

صاحبو! حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب کی یہ مختصر سوانح عمری ہے۔ جس سے آپ کا نبی اور سچا ملہم ہونا واضح ثابت۔ بے شک ملہم کی سچائی کی بڑی دلیل اس کی سوانح عمری ہو سکتی ہے اور اس سے اس کی سچائی اور نیک نیتی معلوم ہوتی ہے۔ اور سوانح عمری پر اطلاع یوں بھی ضرور کہ بغیر اطلاع عبادات و عادات رسول صلی علیہ وسلم امت کو اتباع رسول دشوار۔ پس ان مختصر حالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بطور سوانح مذکور ہوئے انصاف سے دیکھئے کہ ان سے کس مرتبہ کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے تمامی ملکات بے شک اعلیٰ مرتبہ میں تھے اور بے شبہ آپ بڑے نیک نیت اور بڑے با اخلاص اور آپ کی تمامی اعمال حسنہ اور ہر قسم کے مساعی جمیلہ کی بناء ہمہ نیک نیتی و اخلاص پر تھی۔ خواہش نفسانی اور طمع لذات جسمانی کو نہ کوئی مداخلت تھی نہ شرکت۔ دیکھو ان سوانح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب محمدی

سے آپ کے علوم راسخہ اور اخلاق فاضلہ کا علی وجہ الکمال والاکمل ہونا کس مرتبہ (درجہ) بداہۃً ثابت ہوتا ہے اور علیٰ ہٰذا آپ کی خوبیِ تعلیم کس درجہ روشن۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہم خود آپ کی ذات جامع کمالات کو سب سے اعلیٰ سب سے افضل اعتقاد کرتے ہیں اور دوسروں کو اس اعتقاد کے ساتھ مکلّف۔ جس کو تردد ہو دوسروں کے کمالات علمی و عملی اور دوسروں کی سوانح عمری دکھلائے اور موازنہ کرے ؎

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا ☆ یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

آپ کی تہذیب آپ کی خوبیِ تعلیم گو بخوبی ثابت ہو چکی مگر ارکان نماز کو تمثیلاً اور پیش کرتا ہوں تاکہ اور واضح معلوم ہو کہ احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام کس مرتبہ (درجہ) خوب ہیں اور کیسے اعلیٰ درجہ کے حسن۔ ہر ہر بات اور ہر ہر حکم کیسی کیسی حکمتوں و دقائق پر مبنی ہے اور کیسے کیسے لطائف خفیہ پر ان کی بناء۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وجوہ محبت و عشق چار ہیں اور ہر واحد ان میں سے علت مستقلہ **و لو کان موجوداً بالوجود المجازی** جمال، کمال، قرابت، احسان اور ذات باری میں یہ تمامی وجوہ محبت و فریفتگی علی وجہ الکمال حقیقتاً و بالذات موجود۔ پس لازم کہ ہر قلب میں اس کا عشق ہو اور ہر دل میں اس کی محبت اور ظاہر کہ مرتبہ عشق و محبت کو یہ ضرور کہ عاشق کا رخ توجہ الی المحبوب ہو۔ ادھر یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ عبادت قلب و روح و بدن و جوارح دونوں سے متعلق اور قلب و روح و بدن و جوارح میں یہ علاقہ کہ روح و قلب اصل و حاکم اور بدن و جوارح اس کا تابع و محکوم۔ وہ مرتبہ باطن اور بدن و جوارح اس کا ظاہر۔ پس جیسا کہ اس علم صحیح اور سچے اعتقاد محبوبیت حقہ باری عزّ وجل کو یہ اثر لازم تھا کہ قلب و روح کی توجہ الی اللہ ہو اور اسی کی طرف استقبال جوارح و بدن پر نیز مترتب۔ اس اثر حقہ کا ضرور۔ چنانچہ بدنی عبادت کے وقت یعنی بحالت صلوۃ برہمونی دلیل محکم لفظ "اللہ اکبر" کے جس کا یہ حاصل کہ خدائے برتر تمامی اشیاء سے بڑا ہے اور سب سے افضل۔ ہر طرف سے یکسو ہو کر "خانہ کعبہ" کی طرف جو عالم اجسام میں اس کی تجلیات محبوبی کا مظہر ہے اور افعال حج جو جملہ عاشقانہ افعال ہیں اس پر واضح دلیل۔ اول رخ توجہ اور استقبال کرتے ہیں۔ اور پھر اس کے سامنے مؤدب کھڑے۔ یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے تمہارے تمامی مخلوقات کے کمالات متناہیہ و محدود کمالات باری کے ساتھ ذرہ وار ایسی

نسبت رکھتے ہیں جیسے متناہی بلکہ وجود ذرہ کو بمقابلہ غیر متناہی کمالات باری غیر متناہیہ کو بڑی عظمت ہے اور بمقابلہ اس کے کمالات مخلوق کو بڑی پستی۔ اس اعتقاد حق کا بے شک یہ اثر کہ قلب وروح میں اپنی پستی ہو اور اس خالق برتر کی عظمت بدن پر بھی۔ اس اثر صحیح کا یہ نمونہ کہ بحالت رکوع اپنی پستی کا معترف ہو کر اس خالق برتر کی عظمت کا اقرار اور لفظ ''سبحان ربّی العظیم'' اس پر شاہد عدل اور جب یہ بھی ثابت کہ وجود مخلوقات جس کو بمنزلہ وجود ذرات ارض کہا گیا ہے اصلی وخانہ زاد نہیں۔ بلکہ جیسے نور آفتاب ذرّات ارض میں جلوہ گر ایسے ہی انوار کمالات باری ذرہ وار مخلوقات میں یعنی یہ کمالات خالق برتر کے کمالات اصلیہ اور مخلوقات میں اس کی عطا اور اسی کے اظلال اس اعتقاد صحیح سے قلب وروح پر یہ اثر صحیح کہ روح وقلب میں مرتبہ عظمت سے ترقی ہو کر مرتبہ علو باری تا بہنایت ہو اور بمقابلہ اس کے اپنی غایت ذلت جوارح بدن پر اس کا یوں ظہور کہ صورت سجدہ ادا کر کے جس میں اپنی ناک، اپنا چہرہ جو اعضاء بدن میں سب سے افضل ہیں۔ اس کی خاک آستان عالیہ سے رگڑ کر اپنی غایت ذلت وغایت خواری کا معترف ہو کر اس کے غایت علو کی تصدیق اور ''سبحان ربّی الاعلیٰ'' جو بحالت سجدہ کہا جاتا ہے اس پر شاہد عدل۔ پھر ہر رکن نماز کی کیسی کیسی حکمت غامضہ اور اصول دقیقہ پر بنا ہے اور نماز کی ہر ہر حرکت کیسے کیسے رموز دقیقہ حقہ کی طرف مشیر۔

افسوس کہ مجھ پر وقت معینہ کی مدت پوری ہونے کی اطلاع دیکر بار بار تقاضا کیا جاتا ہے کہ میں اس بیان کو ختم کروں اور اس کے دائرہ وسیع کو تنگ۔ ناچار میں بیٹھتا ہوں۔ کاش مجھ کو وقت کی توسیع ہوتی تو ان شاء اللہ تمامی احکامات شریعت محمدیہ کی لم وحکمت کو پوری توضیح کے ساتھ واضح کر دکھاتا اور چونکہ محکوم تھا کہ جو کچھ کہوں بروئے عقل کہوں۔ لہٰذا ہر مدعا ہر مطلب کو اپنی عقل نارسا کے موافق عقلی دلائل وعقلی براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر قصور ہو میری عقل نارسا کے حوالے فرمایا جاوے۔

والحمد للہ الذی کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفے[1]

---

[1] حضرت محدث امروہیؒ نے آٹھ بجکر پندرہ منٹ پر تقریر شروع فرمائی اور دس بجکر کچھ منٹ پر ختم ہوئی۔ بحوالہ رکوب السفینہ فی مناظرۃ النگینہ، مؤلفہ حکیم ارتضیٰ علی مرحوم نگینوی (محب الحق)

ردقادیانیت: یہ بات علمی حلقوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مرزائے قادیان کی مصنوعی "نبوت" اورخواہ مخواہی "مسیحیت ومہدویت" کی تصدیق کرنے والوں میں امروہہ کے مولوی محمد احسن (جن کو مولوی لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے) اور "بھیرہ" کے حکیم نورالدین نمایاں پوزیشن رکھتے تھے۔ ان دونوں اشخاص کو مرزا پر ایمان لانے والے شیخین کا ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اول الذکر کے متعلق صاحب تذکرۃ الکرام مولوی محمود احمد عباسی لکھتے ہیں:

"(انھوں نے) آخر حصہ (عمر) میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئے مسیحیت ومہدویت کی تصدیق کی اور جماعت احمدیہ (مرزائیہ) میں داخل ہوکر احمدی (مرزائی) مشرب کی تبلیغ کرتے رہے"

آخر میں لکھتے ہیں:

"(ان کو) قادیانی مشن کی جانب سے گھر بیٹھے تنخواہ برابر ملتی رہی۔"

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اوران سے تحریری مناظرہ ہوااور آخر میں پیر صاحبؒ نے اپنا بہترین علمی اور تحقیقی شاہکار "سیف چشتیائی" لکھ کر مرزا پر اوران کے خاص مرید محمد احسن پر اپنی حجت تمام کردی تھی۔

جب فتنۂ قادیانیت حضرت محدث امروہیؒ کے وطن میں "آستین بررخ کشیدہ" داخل ہوا۔ محمد احسن نے اپنے محلہ کے چند افراد کو بھی اپنا ہم عقیدہ بنالیا۔ حکیم آل محمد جو قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بیعت تھے وہ بھی اس فریب میں آگئے۔ مولانا سید بدرالحسن حضرت محدث امروہیؒ کے شاگرد تھے انھوں نے بھی حکیم محمد احسن کی ہم نوائی شروع کردی۔ ایسے وقت میں جس طرح ان کے استاذ معظم حضرت نانوتویؒ کی اسلامی رگ حمیت جوش میں آجایا کرتی تھی انھوں نے بھی نتائج ومآل کار کو سامنے رکھ کر بے چینی کے ساتھ اس فتنہ کے فرو کرنے میں انتہائی کوشش اور ہر محاذ پر جہاد شروع کردیا۔ علماء شہر نے مناظرہ کرنا چاہا تو محمد احسن نے کہا کہ احمد حسن میری مقابلہ پر آوے۔ مولانا محدث امروہیؒ نے تقریریں کیں، تحریریں لکھیں مناظرہ کرایا اور مباہلے پر تیار ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ردقادیانیت میں ان چار مجاہدین اسلام

کے نام سرفہرست ہیں۔ (۱) مولانا سید انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ (۲) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ (۳) مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ (۴) مولانا محمد علی صاحب[۱] مونگیریؒ۔

لیکن اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ مرزا کے دعوئے نبوت کے ابتداء ہی میں اگر پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ اور حضرت محدث امروہیؒ جیسے اکابر وقت بے پناہ علمی حیثیت سے اس دجل ومکر کا قلع وقمع نہ کرتے تو بعد والوں کے کندھوں پر اس فتنہ کے ''دفاتر مکر'' کی تردید کا زبردست بوجھ پڑ جاتا۔

محمد احسن کی لایعنی ومرعوب کن تاویلات کی قبا کو (جن تاویلات کے بل بوتے پر مرزا کی ''خانہ ساز'' نبوت ومسیحیت حق وصداقت سے نبرد آزماں ہونے چلی تھی) حضرت محدث امروہیؒ نے اسے پوری قوت کے ساتھ تار تار کر کے فضائے آسمانی میں اڑا دیا تھا۔ قاسمی علوم ومعارف کے امانت بردار نے بروقت اس ''دجّالیت'' کا استیصال کر کے حق امانت ادا کیا اور طلباء وعوام کی ایک بڑی جماعت آغاز ہی میں آپ کی بدولت اس تحریک کے پس منظر سے خبردار اور اُن ''اشکالات واغلوطات'' کے جوابات سے واقف ہوگئی تھی جو علمی حیثیت سے پیش کئے جاتے تھے۔ اگر اس فتنہ کا سوت امروہہ کی سرزمین پر اُسی وقت بند نہ کیا جاتا تو تمام یوپی میں خصوصاً اور مشرقی صوبوں میں سیلاب بن کر اس فتنہ کے داخل ہونے کا زبردست اندیشہ تھا۔

اس فتنہ سے متعلق مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو حضرت محدث امروہیؒ مکتوب ۱۱۶ میں ارقام فرماتے ہیں:

''بندۂ نحیف احمد حسن غفرلہ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم حافظ مولوی محمد عبدالغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے...... امروہہ میں اور خاص محلہ دربار کلاں میں ایک مرض وبائی مہلکہ یہ پھیل رہا ہے کہ محمد احسن جو مرزا قادیانی کا خاص حواری ہے اس نے حکیم آل محمد کو جو مولانا (نانوتویؒ) سے بیعت تھے۔ مرزا کا مرید بنا چھوڑا اور سید بدرالحسن کو جس نے مدرسہ میں مجھ ناکارہ سے

[۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ در رد قادیانیت مندرجہ الفرقان صفر المظفر و ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ (فریدی)

بھی کچھ پڑھا (ہے) مرزا کی طرف مائل کر دیا۔ ان دونوں کے بگڑنے سے محمد احسن کی بن پڑی۔ لن ترانیاں کرنی شروع کیں۔ طلبہ کے مقابلہ سے یوں عقب گذاری۔ احمد حسن میرے مقابلہ میں آوے۔ میں جب مناظرہ پر آمادہ ہوا اور یہ پیغام دیا کہ حضرت! مرزا کو بلائیے۔ صَرف راہ میرے ذمے (یا) مجھ کو لے چلیئے میں خود اپنے خرچ کا متکفل ہوں گا۔

بسم اللہ۔ آپ اور مرزا دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کر لیجئے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجئے تو ان کی مغلوبی میری مغلوبی۔ تب مناظرہ کا دعویٰ چھوڑ مباہلہ کا ارادہ کیا۔ بنام خدا میں اس پر آمادہ ہوا اور بے تکلف کہلا بھیجا بسم اللہ۔ مرزا آوے مناظرہ، مباہلہ جو شق وہ اختیار کرے میں موجود ہوں۔ اس کے بعد جامع مسجد میں ایک وعظ کہا۔ اس پیغام کا بھی اعلان کیا۔ اور مرزا کے خیالات فاسدہ کا پورا رد۔

کل بروز جمعہ دوسرا وعظ ہوا جو بفضلہٖ تعالیٰ بہت پرزور تھا اور بہت زور کے ساتھ یہ پکار دیا کہ دیکھو مولوی فضل حق کا یہ اشتہار مطبوعہ۔ میرا یہ اعلان مرزا صاحب کو کوئی صاحب لوجہ اللہ غیرت دلوائیں۔ کب تک خلوت خانہ میں چوڑیاں پہنے بیٹھے رہو گے۔ میدان میں آؤ اور اللہ برتر کی قدرت کاملہ کا تماشا دیکھو۔ کہ ابھی تک خدا کے کیسے کیسے بندے تم سے دجّال امت کی سرکوبی کے واسطے موجود ہیں۔ اگر تم کو اور تمہارے حوارئین کو غیرت ہے آؤ۔ ورنہ اپنے ہفوات سے باز آؤ۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان دونوں وعظوں کا شہر میں عمدہ اثر امید سے زیادہ پڑا اور دشمن بہت مرعوب ہوا۔

پیشن گوئی تو یہ ہے کہ نہ مباہلہ ہو نہ مناظرہ۔ مگر دعا سے ہر وقت یاد رکھنا۔ مولانا (گنگوہی) مدظلہ اور مولوی محمود حسن صاحب (دیوبندی) نے بہت کلمات اطمینان تحریر فرمائے ہیں۔ ارادہ ہے دو چار وعظ اور کہوں[1]۔ ۲۰/ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ شنبہ روز امروہہ"

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

مولانا سید بدر الحسن کا قادیانیت سے تائب: مولانا سید بدر الحسن صاحب امروہیؒ حضرت محدث امروہیؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ان کی آمدورفت محمد احسن کے پاس ہوگئی۔ان کی باتیں سن کر حیات مسیح میں شک وتردد ہوگیا تھا۔اہل علم اور دوستوں نے ہر چندان کو سمجھایا لیکن ان پر باطل کا اثر ہوگیا تھا۔اس لیے کسی کی نہ سنتے تھے۔اورالٹا مناظرہ کرتے تھے۔حضرت محدث امروہیؒ کو اس کی اطلاع ہوچکی تھی۔ایک دن ان کو حضرتؒ کے پاس لایا گیا یاوہ خود بخود آئے۔حضرتؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

''مولوی بدر الحسن! حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو۔ہمیں یہ غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔تم نے ہمارے غرور کی اصلاح کردی۔''

نہ معلوم کس جذبہ سے یہ الفاظ حضرت محدث امروہیؒ نے فرمائے تھے کہ مولانا بدر الحسن صاحب زار زار رونے لگے اور قدموں پر لوٹے لوٹے پھرے اور فاسد عقیدے سے توبہ کی۔

دعوت مناظرہ ومباہلہ: لوگوں کی زبانی سنا کرتا تھا کہ حضرت محدث امروہیؒ نے مرزا سے مباہلہ کا اعلان کیا تھا لیکن تحریری ثبوت نہیں ملتا تھا اتفاق سے محمد احسن قادیانی کی مرتب کی ہوئی روداد مباحثہ رامپور سے اس سلسلہ کی تحریر بھی مل گئی۔حضرت محدث امروہیؒ مرزائے قادیانی کو تحریر فرماتے ہیں:

''بسم اللہ! آپ تشریف لائیے میں آپ کا مخالف ہوں۔آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔آپ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔میں بنام خدا مستعد ہوں خواہ مناظرہ کیجئے یا مباہلہ۔آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث صحیحہ معتبرہ اور قرآن پاک سے ثبوت دیجئے اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس دعوے کی قرآن واحادیث صحیحہ سے تردید کروں گا۔والسلام علی من اتبع الہدیٰ''

راقم خادم الطلباء احقر الزمن احمد حسن غفرلہ مدرس مدرسہ عربیہ امروہہ

(ستہ ضروری مباحثہ رامپوری ص ۵۶)

مرزا کا رسالہ دافع البلاء اور اس کا موضوع: جیسا کہ لکھا جاچکا ہے کہ مرزا کے اثرات

محمد احسن کے ذریعہ امروہہ میں پہنچ رہے تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ نے جامع مسجد امروہہ وعید گاہ میں اپنی پر تاثیر تقاریر سے اس فتنہ کی پوری علمی قوت سے تردید کی۔ محمد احسن کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ حضرت مولانا کی علمیت کے مقابل آسکے۔ اس تردید کی اطلاعیں وہ مرزا کو دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے ایک رسالہ دافع البلاء ان اطلاعوں سے متاثر ہو کر لکھا اور حضرت محدث امروہیؒ کو براہ راست اس میں مخاطب کیا ہے اور اپنی پیشن گوئیوں سے آپ کو بھی مرعوب کرنا چاہا مگر حضرت امروہیؒ کے قاسمی جذبے میں برابر ابھار پیدا ہوتا رہا۔

جس طرح مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا وجود مرزا کے بطلان کی دائم دلیل ہے۔ کیونکہ مرزا نے ان سے مباہلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کاذب صادق کے سامنے مرجائے گا۔ مولانا امرتسریؒ ۱۹۴۷ء تک زندہ رہے۔

اسی طرح حضرت محدث امروہیؒ عقیدۂ اہلسنت والجماعت کی حقانیت کا ایک مجسم اور زندہ ثبوت تھے۔ مرزا نے حضرت مولاناؒ کے متعلق کیا کیا پیشن گوئیاں نہیں کیں اور مباہلہ کے چیلنج کو اپنی افتاد طبیعت کے مطابق کڑواہٹ اور سختی کے ساتھ قبول کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ مرزا ۱۹۰۸ء میں ختم ہو گئے اور حضرت محدث امروہیؒ ۱۹۱۲ء میں عالم آخرت کو سدھارے۔ یہاں بھی کاذب و صادق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو جہاں دیگر علمائے حق سے عناد تھا وہیں حضرت محدث امروہیؒ سے بھی دلی بغض ہو گیا اور رسالہ دافع البلاء لکھا۔ اس میں حضرت محدث امروہیؒ کے بارے میں لکھا ہے:

> ''اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آگیا ہے کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے یعنی اگر وہ در حقیقت مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں اور میرے الہامات کو انسان کا افتراء خیال کرتے ہیں نہ خدا کا کلام۔ تو سہل طریق یہ ہے کہ جس طرح میں خدا تعالیٰ سے الہام پا کر ''اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ لَوْلَا الْاِكْرَامَ لَهَلَكَ الْمُقَامُ'' وہ ''اِنَّهٗ اٰوَى الْاَمْرُوْهَه'' لکھ دیں۔......پس جس حالت میں

میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں قادیان کو اس تباہی (وبائے طاعون) سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں......اسی طرح مولوی احمد حسن صاحب کو چاہئے کہ اپنے خدا سے جس طرح ہو سکے امروہہ کی نسبت دعا قبول کرالیں کہ وہ طاعون سے پاک رہے گا۔"

خلاصہ یہ تھا کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا اور جو کوئی مرزا کو سچا نبی مانے گا اس کا شہر بھی محفوظ رہے گا۔ جو مرزا کی تکذیب کرے گا اس کی بستی میں طاعون پھیلے گا۔ اس زمانہ میں جگہ جگہ یہ وبا پھیل رہی تھی اور عوام خوفزدہ تھے۔ اس نفسیات کا مرزا نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنے رسالہ "الہامات مرزا" میں ان سب دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔ اسی سال دسمبر (۱۹۰۲ء) قادیان بھی طاعون کی لپیٹ میں آ گیا۔ اور قادیانیوں کا سالانہ اجتماع موقوف کرنا پڑا۔ قادیان کی آبادی ۲۸۰۰ تھی۔ اس میں سے اپریل ۱۹۰۴ء تک ۳۱۳ آدمی طاعون سے مر چکے تھے۔ بہت سے ادھر اُدھر بھاگ گئے تھے قادیان ویران پڑا تھا۔

ردِ قادیانیت میں عربی تقریر: لا ریب فی ان المسیح بن مریم رفعه الله اِلی السماء حیّا و ماقتلوهُ و ماصلبوه، یقینا بل شبه لهم و سینزله الله تعالیٰ عند قرب الساعة بعد خروج الدجال فی جامع دمشق عند منارة الشرقیه بین مهر و دتین و اضعا یدیه علی الملکین یقطر الماء من راسه کانه خرج من دیماس فیکسر الصلب و یقتل الخنزریر و یضع الجزیة و یقتل علی یدیه الدجال الاکبر و یموت الکافر من نفسه الشریفة، یقتل الی حیث ینتهی بصره اللطیفه قول حق لا یا تیه الباطل بین یدیه و لا من خلفه کما نطق به کتاب الله و اخبر به النبی الصادق المصدوق و لا ینبئک مثل خبیر. فمن قال انه مات و ادعی نفسه بانه المسیح الموعود فقد شاق الله و رسوله وعرض وعن النصوص الظاهرة فی کتابه و کتاب رسوله و خالفهما و خالف الامر الثابت فی الدین و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین لهالهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتو لی و نصله جهنم و

ساء ت مصيرا. الا انهم ليقولون منكرا من القول وزورا. الا انه قرية بلا مرية كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا. الا انهم فی مرية من لقاء عيسیٰ الا انهم فی شک منه و سيبطل الله مايقول و يفتح بيننا و بينه بالحق و الله خير الفاتحين وهو علی ذالک كله و كيل و كفی به و كيلا.

فيا ايهاالذين امنو ا و صدقوا بكتاب الله و كتاب رسوله عليكم ان تكونوا من هذا الضّال المضل علی طرف بعيد و حذر شديد فانه من دجال هذه الامة صدق الله العلی العظيم و صدق زبيوله الكريم لا تقوم الساعة حتی يبعث كذّابون دجّالون قريب من ثلثين كلهم يزعم انه رسول الله و الله سبحنه و تعالی يهدی من يشاء الی صراط مستقيم وهو لكل شی ء خبير وعليم وهوا علم و علمه اتم واحكم[1]

حرره خادم الطلبه احقر الزمن

احمد حسن الحسينی الامروهی غفرله

ولوالديه واحسن اليهما و اليه

ترجمہ: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اٹھا یا اوران کو قتل وصلیب سے بچالیا۔ وہ قرب قیامت میں خروج دجّال کے بعد (جامع مسجد) دمشق کے جانب شرقی مینار کے نزدیک اتریں گے، وہ دو زرد چادروں میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا گویا وہ ابھی غسل کر کے غسل خانہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کردیں گے۔ دجّال اکبر ان کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ ان کے سانس سے کافر مر جائے گا۔ جہاں تک ان کی نظر جائے گی باطل ختم ہو جائے گا۔ یہ باتیں حق ہیں۔ اس میں باطل کو راہ نہیں۔ کتاب اللہ سے اور نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے یہی ثابت ہے۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح بن مریم وفات پا گئے اور وہ خود (نعوذ باللہ) مسیح

---

[1] یہ تحریر مجھ کو حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صدیقی مفسر امروہی کے کاغذات میں ملی تھی وہاں سے نقل کر کے پیش کی ہے۔ (فریدی)

موعود ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کی نصوص ظاہرہ سے اعراض کیا اور امر ثابت کی مخالفت کی، وہ من یشاقق الرسول الا یہ کا مصداق ہے۔ یہ مرزائی جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ نزول عیسیٰ کے منکر ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل کر دکھلائے گا اور حق کی فتح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے۔ اے مسلمانو! اور اے کتاب اللہ اور کتاب رسول کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کن شخص سے بچتے رہو اور اس کے میل جول سے سخت پرہیز رکھو۔ اس لئے کہ یہ اس امت کا دجّال ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجّال نہ آجائیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

مناظرہ رامپور: حباب بحر کو دیکھو وہ کیسا سر اٹھاتا ہے ☆ تکبر وہ بری شی ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

امروہہ میں قادیانیت کی بنیاد رکھنے کے بعد قادیانیوں نے ریاست رامپور کو قادیانیت کا مرکز بنانا چاہا تھا اور وہاں اس[1] فتنہ سے بعض اشخاص متاثر بھی ہو گئے تھے۔ خصوصاً مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی ذوالفقار علی گوہر قادیانی ہو گئے تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی احمد علی خاں شوق ''صاحب تذکرہ کاملان رامپور'' جماعت حقہ کے ساتھ تھے۔ دونوں ہی نواب رامپور کے خاص ملازم تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے قول کے مطابق ان دونوں میں مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ نواب حامد علی خاں والی رامپور اس بحث ومباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق ریاست کے خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں۔ چنانچہ ۱۵ر جون ۱۹۰۹ء مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی۔ اہل حق کی طرف سے حضرت محدث امروہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا حافظ محمد احمد نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید مرتضی حسن چاند پوریؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہ کو مدعو کیا گیا۔

قادیانیوں کی نمائندگی حکیم محمد احسن امروہی، خواجہ کمال الدین، مولوی سرور شاہ، مبارک علی، قاسم علی، محمد علی لاہوری، یعقوب علی، روشن علی، محمد یعقوب خاں کر رہے تھے۔ نواب حامد علی خاں والی

---

[1] بیسویں صدی کا یہ المیہ ہے کہ اس صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تین بڑی شخصیات کے بھائی قادیانی ہو گئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہ، محمد علی جوہر کے بھائی ذوالفقار علی گوہر اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے بھائی شیخ عطا محمد۔ (مرتب الحق)

ریاست رامپور کے زیر اہتمام قلعہ رامپور کے اندر یہ مناظرہ ہوا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اہل اسلام کی طرف سے مناظر تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ کی یہاں بھی ایک معرکۃ الآرا تقریر ہوئی۔ مناظرہ اور تقریر کا یہ اثر ہوا کہ قادیانیت رامپور میں مرجھا کر رہ گئی۔

حضرت محدث امروہیؒ مناظرۂ رامپور کی کامیابی پر اس کی مختصر روداد مکتوب ۱۴۳ اور ۱۴۴ میں مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کو ارقام کرتے ہیں:

''بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت جامع کمالات مولوی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ وجعلہ فی رضاہ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے............

امسال ایک مرتبہ ''دہرہ دون'' جانا پڑا اور پھر ''بھاگلپور''۔ اب ریاست ''رامپور'' میں فیما بین اہل سنت و جماعت و گروہ قادیانی مناظرہ قرار پایا ہے۔ رئیس (نواب حامد علی خاں) کی خواہش ہے کہ میری مشاہدت میں مناظرہ ہو۔ قادیانیوں نے مولوی محمد احسن امروہوی اور مولوی سرور اور دو چار اور کو منتخب کیا ہے۔ اِدھر سے اول میرا نام لیا گیا ہے اور مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی، مولوی خلیل احمد صاحب، مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری کا نیز ۱۵/ جون مقرر ہے۔ کل بطلب بندہ رجسٹری شدہ خط آیا کہ آپ بروز پنجشنبہ ۱۰ جون کو ''رامپور'' آ جاویں۔ امور ضروریہ آپ کے سامنے طے ہونے ہیں۔ غالباً جمعہ کے دن روانہ ہوں۔ میں نے مولانا محمود حسن صاحب صاحبزادہ (مولانا محمد احمد) صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو لکھا ہے کہ جمعہ (یہاں) پڑھیں اور ایک ساتھ روانہ ہوں۔ غالباً سب حضرات تشریف لاویں۔ آپ کو ضروریہ تکلیف دی جاتی ہے کہ دعا و ہمت قلبی سے اعانت کریں[1]......

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ چہار شنبہ ۹/ جون ۱۹۰۹ء''

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء، مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

مکتوب ۱۴۴

''بندۂ نحیف احمد حسن غفرلہ بخدمت جامع کمالات برادر مکرم مولوی حاجی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہم بعد سلام مسنون مکلف ہے۔ رامپور جانے کے بعد دوشنبہ کے روز مناظرہ شروع ہوا۔ مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام کا مولوی احسن قادیانی مرزائی نے ثبوت پیش کیا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اہل اسلام کی طرف سے تحقیقی والزامی وہ جوابات دنداں شکن دئے کہ ماشاء اللہ مجلس میں ہر خاص وعام پر محمد احسن کی مغلوبی اور مولوی ثناء اللہ کا غلبہ واضح ثابت ہو گیا۔ اسی روز تمام رامپور میں عام شہرت ہو گئی قادیانی پسپا ہوئے مگر وہ بے غیرت اگلے روز بھی آکر زیادہ ذلیل ہوئے۔
محمد احسن کو نا قبل مان کر خود ان کے گروہ نے دوسرا مناظر مقرر کیا۔ وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ تیسرے روز الزامی جوابات میں بہت ذلیل ہوئے۔ نواب صاحب نے فرمایا یہ مسئلہ ختم ہوا اور حاضرین کو حق وناحق معلوم ہو گیا۔ اب نبوت مرزا کا ثبوت دیجئیے۔ آمادہ نہ ہوئے اور ایک شب کی مہلت لی۔ شب میں یہ درخواست لکھی کہ حضور اہل اسلام کے حامی ہیں۔ بمقابلۂ حضور ہم کو مناظرہ کرنا منظور نہیں۔ نیز مناظر اہل اسلام بدزبان ہے۔ ہمارے مقتدا وسیلہ نجات کی بھاری گستاخی کرتا ہے۔ لہٰذا ہم کو مناظرہ کرنا کسی حال میں منظور نہیں۔ معاف فرمائیے۔ یہ درخواست لکھ کر بعضے شب میں ہی روانہ ہوئے اور بعضے دن میں راہی۔ والحمد للہ
نواب صاحب کے الطاف امید سے بلکہ خیال سے زیادہ سب کے ساتھ اور بالخصوص بندے کے ساتھ وقوع میں آئے۔ جس سے طرح طرح کی امیدیں ہوتی ہیں۔ خدا راست لاوے۔ سچ یوں (ہے) کہ جملہ احباب کی دعا کا نتیجہ ہے۔
سب کو دعا وسلام اور سب کی طرف سے دعا[1]... احمد حسن غفرلہ ۲۸/ جون ۱۹۰۹ء''

[1] مکتوبات سیدالعلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ نے اس مناظرہ کی کامیابی پر یہ تاریخی شعر کہا۔

چو از مبحث بدر زد نام احسن ☆ شکست آمد بشان میرازائی

۱۳۲۷ھ

رامپور کے علماء کے علاوہ امروہہ، امرتسر، بریلی، بسولی، پٹیالہ، جونپور، دہلی، دیوبند، سیالکوٹ، سہارنپور، کاندھلہ، میرٹھ وغیرہ کے علماء کافی تعداد میں اس مناظرہ کا نظارہ دیکھنے کے لئے رامپور پہنچے تھے۔ مولانا حامد رضا خاں ابن مولانا احمد رضا خاں بریلوی علماء حق کے دوش بدوش اس مناظرہ میں شریک تھے۔ علماء حق نے اس مناظرہ کی کامیابی کے بعد فیصلہ کی تحریر پر جو دستخط کئے ہیں ان کے بھی دستخط ہیں۔ ناظرہ کے دوران یا اختتام پر حضرت محدث امروہیؒ نے جو تقریر فرمائی تھی افسوس کہ وہ محفوظ نہ رہ سکی۔ مدللہ اس مناظرہ میں نواب حامد علی خاں کی موجودگی میں جماعت اہل حق کو فتح ہوئی اور مرزائی قادیانی کو لمست فاش۔ نواب محمد حامد علی خان نے جو اس مناظرہ کا فیصلہ لکھا ہے اس کو مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے حیفۂ محبوبیہ میں درج کیا ہے۔ نواب صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔
>
> (محمد حامد علی خاں والی ریاست رامپور)''

مولانا قیام الدین صاحب بخت جونپوری نے یہ تاریخ کہی ہے اور خود بھی اس مناظرہ میں موجود تھے:

قادیانی پئے احقاق حق ☆ رام پور آئے مگر کھائی شکست
احمدی کہتے ہیں اپنے کو وہ لوگ ☆ لیکن این نسبت آنہا غلط است
بخت نے لکھی یہ سچی تاریخ ☆ احمدیوں کو ہوئی فاش شکست

۱۳۲۷ھ

(اخبار دبدبۂ سکندری رام پور ۲۸؍ جون ۱۹۰۹ء)

حدیث کی عظمت: اس عنوان کے ضمن میں حضرت محدث امروہیؒ کے دو واقعے لکھنے کو دل چاہتا ہے جسے لکھتے ہوئے مسرت بھی ہو رہی ہے اور ساتھ ہی موجودہ دور کے لیے یہ دونوں واقعے عبرت سے کم نہیں کہ اب ہم مادیت کی طرف دوڑ رہے ہیں اور اپنے اکابر کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ حکام وقت کی خوش آمد ہونے لگی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟

''حضرت محدث امروہیؒ کی حیات میں یو. پی. کا گورنر امروہہ آیا تو اس نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ وہ مدرسہ جامع مسجد میں مولانا امروہیؒ سے ملنے کے لیے آیا۔ تمام عمایدئین شہر خصوصاً نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین مرحوم مدرسہ کے صدر دروازہ پر گورنر کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ مولاناؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ آپ کو گورنر کی آمد کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ دفتر میں تشریف رکھیں میں درس ختم کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ جب درس ختم ہو گیا تو آپ نے دفتر میں ان سے ملاقات کی۔ گورنر بجائے ناراض ہونے کے آپ کی فرض شناسی سے بے حد متاثر ہوا۔''

یہ تھی حضرت محدث امروہیؒ کی شان اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت۔

حضرت محدث امروہیؒ کو نظام حیدر آباد نے اپنی ریاست میں صدر الصدور امور مذہبی کے عہدے کی پیش کش کی تھی۔ جس کو آپ نے قبول نہیں کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ طلباء کی خدمت کرنا چاہتا ہوں[1]

اہل اللہ سے تعلق: حضرت محدث امروہیؒ کو اہل اللہ سے نہایت درجہ محبت وعقیدت تھی اور ان کی قدر و منزلت اور خدمت دل و جان سے کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں انبالہ میں شاہ توکل صاحب نقشبندیؒ تھے۔ جن سے غائبانہ آپ متعارف تھے۔ ان کے خلیفہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن پنجابی پیر غیب

[1] بحوالہ در مقصود، کراچی مقالہ پروفیسر سید وقار احمد رضوی (محب الحق)

مرادآبادیؒ تھے۔ جن سے مرادآباد، امروہہ اور اطراف میں بے شمار طالبان سلوک کو روحانی فیض پہنچا۔ مولانا سید معظم حسنین امروہیؒ مہتمم مدرسہ جامع مسجد، امروہہ بھی آپ سے بیعت تھے۔ شاہ توکل صاحبؒ[1] کی وفات جانکاہ کی اطلاع بہت ہی افسوس کے ساتھ مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۶۵ میں دیتے ہیں:

"بخدمت گرامی مرتبت جامع کمالات عزیزم مولوی حاجی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون و دعائے عافیت جسمانی و روحانی اور بعد اظہار شوق دیدار تحریر کرتا ہے کہ.......... جناب شاہ توکل صاحب جو کہ اس زمانہ میں اکابر مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے اور اسم با مسمّٰی تھے۔ شہر انبالہ میں ایک مسجد کے اندر اوقات بسر کرتے تھے اور زندگی متوکلانہ گزارتے تھے۔ انھوں نے ۴؍ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کیا۔ حیف صد حیف۔ نیک لوگ اٹھ رہے ہیں اور ہم جیسے نابکاران کی جگہ لے رہے ہیں۔ رب کریم برحمت خاصہ ان کے ساتھ معاملہ فرمائے اور اپنے خاص بندوں کے زمرہ میں رکھے۔ آمین۔ اگر چہ میں ان کی زیارت سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ مگر میں ان کی حیات میں رابطۂ عقیدت رکھتا تھا۔ نیز آنعزیز سے بھی امید رکھتا ہوں کہ بقدر وسعت ان کی روح کو ثواب تلاوت پہنچائیں اور دعائے مغفرت کریں"[2]

اپنے شیخ اور پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی وفات حسرت آیات کا ذکر کس حزن و ملال کے ساتھ کرتے ہیں اور مکتوب کے ہر ہر لفظ سے غم ظاہر ہو رہا ہے۔ مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۹۴ میں تحریر کرتے ہیں:

"بندۂ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم مولوی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہٗ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے۔ اس وقت

---

[1] شاہ توکل صاحبؒ شاہ قادر بخشؒ کے خلیفہ تھے۔ جن کا سلسلۂ بیعت مرزا مظہر جان جاناں دہلویؒ تک پانچ واسطوں سے پہنچتا ہے۔ (محب الحق) [2] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدی (محب الحق)

ایسے حادثہ جانکاہ کی اطلاع دیتا ہوں جو تمام ہندوستان کے واسطے قیامت سے کم نہیں۔ وہ یہ کہ حضرت قبلہ مرشد برحق نور اللہ مرقدہ نے بداعیہ اجل ۱۲ر جمادی الثانیہ چہارشنبہ کو صبح کی اذان کے وقت لبیک فرما کر رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ واقعی یہ صدمہ نا قابل برداشت ہے۔ مگر ع

اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند

دیکھنا اس وقت امتحان میں ثابت قدم رہنا۔ فان للہ ما اخذ لہ ما اعطیٰ و کل شئی عندہ بمقدار فلتصبر و لتحتسب

دعا کرو حضرتؒ کو رب کریم اپنے قرب خاص میں جائے راحت دے اور ہم سب وابستگان کی نیک سرپرستی فرما کر ہم سب کو توفیق مرضیات کے ساتھ موفق فرماوے اور اپنے اسلاف علیہم الرحمہ کے برکات کے ساتھ مستفیض فرماوے اور خاتمہ بالخیر کرے آمین۔

کل بعد نماز جمعہ قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا اور پرسوں پنجشنبہ کو نیز قریب سو قرآن کے ایصال ثواب کیا گیا۔ باقی خیریت والسلام[1]۔ ۱۳ر رجب ۱۳۱۷ھ شنبہ

مولانا سید عبد الغنی صاحب پھلاودیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کی خبر سن کر یہ قطعۂ تاریخ ارقام کی ہے۔

در شریعت کس نبود ہمپایہ اش ☆ در طریقت کس نبودش ہمقریں
گشت از نور محمد مستنیر ☆ مستفیض از رحمت اللعالمیں
دستگیر اولیاء و اتقیاء ☆ قاسم العلم و رشید الکاملیں
آہ دل از اہل دل ہمراہ برد ☆ آوخ آوخ مات شمس العارفیں
۱۳۱۷ھ

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

ترجمہ: (۱) شریعت وطریقت میں آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا، نہ سلوک طریقت میں کوئی آپ کا ہم سر تھا۔ (۲) نورمحمد (میاں جی نور محمد) سے وہ منور تھے۔ رحمت اللعالمین کے علوم سے وہ مستفیض تھے۔ (۳) بڑے بڑے ولیوں اور متقیوں کی آپ نے دستگیری فرمائی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے کامل واکمل کی بھی۔ (۴) ہائے دل اہل دل کے ہمراہ چلا جا رہا ہے!، حیف صد حیف شمس العارفین ملک عدم چل بسے۔

جمعیۃ الانصار اور حضرت محدث امروہیؒ: جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے پہلے جمعیۃ الانصار ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کر رہی تھی۔ جس کی آواز پر نہ صرف مسلمان بلکہ تمام باشندگان ملک ایک پلیٹ فارم پر آ رہے تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ کی صدارت میں اس کے چھ اجلاس ہو چکے تھے۔ اس کو بھی فرنگی کی نظر بد لگ گئی اور مؤتمر الانصار کے پہلے جلسہ کی بھی صدارت محدث امروہیؒ نے کی۔ مولانا فریدی امروہیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے دو مکتوب گرامی اور ان کا پس منظر کے تحت ارقام کرتے ہیں:

> ”ربیع الاول ۱۳۲۹ھ موافق مارچ ۱۹۱۱ء میں مراد آباد میں ہونے والی جمعیۃ الانصار کے تحت مؤتمر الانصار کے عظیم الشان جلسہ کا منعقد کرنا حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ناظم جمعیۃ الانصار کے ساتھ اسی شخصیت کا کارنامہ تھا جس کے چھ اجلاس حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی زیر صدارت ہوئے اور جس نے نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ پورے ہندوستان میں ایک نئی روح پھونک دی اور جس کے نتیجہ میں ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نہایت شان وشوکت کے ساتھ ظہور پذیر[1] ہوئی۔

فتاویٰ: حضرت محدث امروہیؒ کے پاس اطراف واکناف اور ملک سے کثرت سے استفتاء آتے تھے۔ ان کے جوابات حضرتؒ اپنے قلم خاص سے لکھتے تھے۔ اور ان جوابات کی نقلیں اپنے کسی اچھی تحریر لکھنے والے شاگرد سے کرا کے اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے۔ اگر وہ سب جوابات کسی وقت دستیاب ہو سکے تو ایک بڑا علمی ذخیرہ حاصل ہو جائے گا۔ احقر کو چند فتاویٰ کی نقلیں حضرت مولانا عبد الرحمن صدیقیؒ کے پاس سے

---

[1] بحوالہ مولانا مدنیؒ کے دو مکتوب گرامی اور ان کا پس منظر مقالہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

حاصل ہو گئی تھیں۔ اس مختصر مجموعہ میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب خورجویؒ کے ایک اہم استفتاء کا جواب بھی ہے۔ یہ استفتاء سجدۂ تعظیمی سے متعلق ہے۔ مولانا خورجویؒ نے اپنے سوال میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا جواب فتاویٰ عزیزی میں بھی ہے لیکن میری اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ حضرت مولاناؒ نے اس اہم سوال کا جواب خاص قاسمی انداز میں دیا ہے۔ چونکہ سوال و جواب دونوں مفصل ہیں اس لیے اس کو مستقل طور پر ان شاء اللہ پیش کروں گا۔ اس وقت بطور نمونہ صرف دو فتاوے پیش کرتا ہوں۔

(۱) جواب سوال[۱] آمدہ از کاٹھیاواڑ

الجواب واللہ تعالیٰ ملہم بالحق والصواب

''اولیاء کرام کی تعظیم بیشک از جملہ شعائر اسلام ہے اور ان سے عقیدت راسخہ اور محبت صادقہ رکھنی بے شبہ منجملہ آثار کمال ایمان ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ''من احب للہ و ابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل ایمانہ'' مگر ہر چیز کا حسن اور اس کی خوبی اسی وقت تک محفوظ رہتی ہے کہ وہ شے اپنے اندازہ پر رہے۔ نہ کم ہو نہ زیادہ۔ ورنہ حُسن کہاں؟ بے شک بعد کمی بیشی کے وہ شے قبیح و مذموم ہو جاتی ہے۔ حسیات میں دیکھیے، کھانے میں ''خوبی طعام وخوش ذائقگی مطعومات'' جملہ نمک کے ساتھ وابستہ۔ مگر خوبی ذائقہ ولذت طعام جملہ اسی وقت تک محفوظ ہے کہ نمک اپنے اندازہ پر محفوظ رہے نہ کم ہو نہ زیادہ ورنہ درصورت کمی بیشی نمک کے عمدہ عمدہ اغذیہ کیسی بدمزہ ہو جاتی ہے اور کس درجہ باعث تلخ کامی دینیات میں ملاحظہ فرمایئے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام سے حسن اعتقاد رکھنا کیسا اچھا اور کس درجہ ضرور کہ اس کے بغیر ایمان میسر نہیں۔ لیکن اگر اس درجہ افراط کے ساتھ ہو کہ ان حضرت کو عین اللہ یا ابن اللہ سمجھا جائے یا اس مرتبہ کم کہ ان کی نبوت پر اقرار نہ ہو ایمان کہاں؟ اور حُسن کجا۔ اس درجہ قبیح و مذموم کہ عین کفر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عقیدت اور محبت راسخہ رکھنی کیسی اچھی اور کیسی ضرور اور بغیر اس کے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت سے خارج۔ لیکن اگر اس مرتبہ (درجہ) افراط کے ساتھ ہو کہ ان حضرت کو اول الخلفاء اعتقاد کیا جائے یا ہم مرتبہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یا

---

[۱] سوال نہ معلوم ہو سکا کہ کیا تھا۔ جواب سے سوال کا فی الجملہ پتہ چل رہا ہے۔ (فریدی)

اتنا کم کہ بجائے حسن عقیدت کے بداعتقادی ہو حسن کہاں؟ اس مرتبہ (درجہ) قبیح کہ بعد اس افراط وتفریط کے یا رافضی قرار پائے یا خارجی۔

بدعت: بدعت جو شرعاً مذموم ہے اور وہ بھی اس مرتبہ کہ ارشاد فرماتے ہیں "کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار" یا فرماتے ہیں "البدعة شرک الشرک" یعنی جیسا کہ شرک منافی ہے "لا اله الا الله" کے اور اس اول جز و ایمان کے مخالف ہے۔ علیٰ ہٰذا بدعت دوسرے جز و ایمان کے خلاف ہے اور محمد الرسول اللہ کے منافی۔ بنا اس درجہ مذمومیت کی اس امر پر ہے کہ امور شرعیہ اور مسائل احکام دینیہ جس انداز کے ساتھ شارع کی طرف سے ثابت ہیں بعد احداث بدعت وایجاد امور جدیدہ اس اندازۂ شرعیہ پر محفوظ نہیں رہتے بلکہ ان میں یا افراط وزیادتی من عندالنفس واقع ہوتی ہے یا کمی وتفریط۔ بالجملہ مدار حسن اعمال وخوبی افعال نیز اس پر ہے کہ وہ اعمال اپنے اندازہ شرعی پر محفوظ رہیں ورنہ وہ اعمال اگر چہ از جملہ حسنات تھے۔ بعد افراط وتفریط از جملہ سیئات ہوں گے۔ اکابر دین اور اولیاء ومقربان امت سے محبت صادقہ اور عقیدت راسخہ اس وقت حسن اور از جملہ آثار ایمان ہے کہ وہ حضرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے اندازۂ عبودیت ومرتبہ بندگی سے متجاوز نہ ہوں ورنہ اس مرتبہ (درجہ) افراط کے ساتھ کہ ان کو عین خدا سمجھا جائے یا کارخانہ قدرت قادر مختار میں دخیل کار۔ محبت رکھنی اور اس زیادتی کے ساتھ اعتقاد کرنا عین شرک ہے اور کھلا کفر اعاذنا اللہ وسائر المسلمین منہ مضمون مندرجہ سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتکبان ان اعمال قبیحہ وحرکات شنعیہ کے حضرت شیخ علیہ الرحمہ والرضوان کو عین خدا سمجھتے ہیں اور کارخانہ قدرت میں پورا دخیل اور وہ بھی اس مرتبہ (درجہ) کہ خود حضرت شیخ علیہ الرحمہ ایک طرف وہ لکڑیاں جس کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ تراش چھیل چھال کر بندش کیا ہے اور وہ پھول جس کو آپ نے گوندھا ہے۔ بعد اس شرف کے حضرت شیخ علیہ الرحمہ والرضوان کی جناب اقدس تک منسوب ہوں اور ان حضرت علیہ الرحمہ کی طرف انتساب کرکے ان کے نام زد کیا جائے۔ اس مرتبہ مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کے روبرو مراتب عبودیت بجالانا اور سجدہ وطواف وغیرہ کرنا جملہ جائز ہو جاتا ہے اور ان سے مرادات مانگنا صحیح ہے اور ان کو پورا کرنے مرادات کی اور بیٹا وغیرہ دینے کی قدرت ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک

کلــہ ۔ یہ جملہ حرکات شنعیہ از جملہ شرکیات ہیں و منجملہ بدعات سیّئہ ۔ مرتکب ان کا کافر ہے یا اعلیٰ درجہ کا بدعتی ۔ ان کو چاہئے اپنی ان حرکات شنعیہ سے توبۂ صادقہ کریں اور اس (رسم) باطل کو بالکلیہ چھوڑ دیں ۔ ورنہ حشر اپنا کفار و مشرکین کے ساتھ سمجھیں ۔ **وما علینـا الا لبلاغ و اللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم و ھو بکلٰ شی ءٍ علیم**

(حررہ خادم الطلباء احقر الزمن)
احمد حسن الحسینی الامروہی الچشتی الصابری غفرلہ
ولوالدیہ واحسن الیھما و الیہ

استفتا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع مبین کہ اذان میں نام پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا ہے؟

الجواب: نہ سنت ہے، نہ فرض، نہ واجب، نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل، جو احادیث کہ اس بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور جن روایات کے بھروسے تقبیل ابہام کو سنت، یا مستحب سمجھا جاتا ہے وہ جملہ بہ تحقیق محدثین نا معتبر ہیں بلکہ از جملہ موضوعات ۔ امام شوکانیؒ اپنی کتاب ''فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث مسح العینین بباطن اعلیٰ السبابتین عند قول المؤذن اشھدان محمدرسول اللہ الخ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیقؓ مرفوعاً قال ابن الطاھر فی التذکرۃ لا یصحا انتھی ''اور نیز تحریر فرماتے ہیں'' **من قال حین یسمع اشھد ان محمد رسول اللہ مرحبا بحبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ ثم یقبل ابھامیہ و یجعلھا علی عینہ لم یسقم ولم یرمد ابدا قال فی التذکرۃ لا یصح''**

اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ ''مقاصد حسنہ فی الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنہ'' میں تحریر

فرماتے ہیں: ''ولا یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ'' اور ملا علی قاریؒ نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں ان احادیث کو از جملہ موضوعات تحریر فرمایا ہے۔ روایات فقہیہ جو اس کے استحباب میں ''خزانۃ الروایات'' یا ''کنز العباد'' اور جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ سے نقل کی جاتی ہیں وہ بھی نامعتبر ہیں۔ کتب متداولہ ومعتبرہ عندالعلماء میں کہیں اس قسم کی روایات کا پتہ نہیں اور خود یہ کتابیں جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام ان کے اوپر مرقوم ہوئے عندالعلماء نامعتبر ہیں۔ ان کتب میں رطب ویابس کو بلا تنقیح جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا المولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی لکھنویؒ نے اپنے رسالے ''النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' میں اس مضمون کو مفصل لکھا ہے۔ بالجملہ مسئلہ تقبیل الابہامین ایک بے اصل مسئلہ ہے۔ احادیث صحیحہ وروایات معتبرہ کے بالکل خلاف۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہٗ خادم الطلباء احمد حسن غفرلہ

حضرت محدث امروہیؒ کا درس تفسیر وحدیث: حضرت محدث امروہیؒ ایک بلند پایہ محدث تو تھے ہی تفسیر وفقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمام فنون حکمیہ اور فنون معقولہ پر نظر تھی۔ آپ کی تقریر نہایت شستہ اور پر مغز ہوتی تھی۔ جس سے طلباء کا دامن طلب گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ تقریر میں اپنے استاذ کا مکمل نمونہ تھے۔ بیان ایسا واضح اور پر شوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلباء کی سمجھ میں سہولت سے آجاتے تھے آپ فن طب سے بھی واقف تھے مگر باقاعدہ اس کا مظاہرہ مطب کی صورت میں نہیں کیا۔ ہمیشہ تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرنے کی طرف متوجہ رہے۔ یہاں پر ہم آپ کے درس تفسیر اور حدیث کا نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ حضرت محدث امروہیؒ کا مبلغ علم کتنا گہرا اور جامع تھا۔

درس تفسیر قرآن: جناب باری فرماتے ہیں: ''فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' اس پر یہ شبہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جملہ خبریہ جس وقت جناب باری کے کلام میں پایا جاتا ہے محتمل کذب کو تو ہوا ہی نہیں کرتا ہے۔ صادق ہی ہوا کرتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ قیامت کے دن ایسے ویسے لوگوں کے تو کیا کہنے انبیاء علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے اور کہیں گے کہ اس کی بے نیازی کی کوئی انتہا نہیں۔

دیکھئے ہمارے واسطے کیا حکم ہو؟

یہ کلام ''فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون '' کے کیسا مخالف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

اس کے جواب میں یوں خیال آتا ہے کہ ایک تو صورت ''فلاخوف لھم '' کی ہے۔ اس کی صورت یوں خیال فرمایئے کہ جیسے کوئی شخص کسی جرم میں ماخوذ نہ ہو اور اسے حاکم یوں کہہ دے کہ تجھے اس کے خوف کرنے سے کچھ مطلب نہیں۔ ہم ہرگز تجھ سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ ایسی جگہ تو ''فلا خوف لھم '' صادق آتا ہے اور ایک صورت ''فلا خوف علیھم '' کی ہے، اس کا حاصل اتنا ہوتا ہے کہ اس مجرم کو تو بے شک خوف ہے کہ دیکھئے کیا سزا تجویز ہو لیکن جو شخص قانون دان سرکار ہوں ان کو ہرگز خوف نہیں ہوگا۔ بلکہ جو کچھ قانون کے موافق ہوگا جان لیں گے کہ یہی ہوتا ہے خوف کا کوئی مقام نہیں۔

یہاں پر بھی جناب باری نے ''علیھم ''فرمایا ہے، ''لھم ' 'نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب اتنا ہے کہ جو قانون داں ہیں اُن پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں اور وہ فرشتے وغیرہ ہیں۔ گو اُن لوگوں کو ہو، پس جس وقت میں دونوں میں یہ فرق ہو گیا اب کسی قسم کا تعارض نہیں رہا۔ یہ بات کہ ''ولا ھم یحزنون '' کا لفظ کیوں فرمایا اور ''ولا ھم یھمّون '' کا لفظ کیوں نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ حزن اُس کا نام ہے کہ جو فوتِ مطلوب پر غم وغیرہ ہو اور ''ھمّ ''اس کا نام ہے کہ کوئی قصور ہوا ہو اور پھر حاکم کے سامنے یہ غم پیدا ہو کہ دیکھئے کیا سزا ملے گی۔ جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو کہہ سکتے ہیں کہ وہاں پر بھی فوتِ مطلوب بعض ہونے کا کہ جو اس پر غم پیدا ہو بخوف سزا یہ غم والم پیدا ہوگا۔ لہٰذا ''حزن ''کو اختیار فرمایا۔ اس کی وجہ ''ولا ھم یحزنون ''کو جملہ فعلیہ کے ساتھ...... کیا اور ''فلاخوف ''جملہ اسمیہ کے ساتھ، جواب دو سمجھ میں آتے ہیں۔ اول تو کہ اس کی اور خاص...... اس کی مطابقت کی کوئی ضرورت نہیں۔ علاوہ اس کے جملہ فعلیہ جو ہوتا ہے تجدّد پر دلالت کیا کرتا ہے اور جملہ اسمیہ دوام اور استمرار پر۔ یہاں پر جناب باری ''فلا خوف علیھم ''فرما کر اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قانون شناسان دفتر خداوندی کے جو لوگ ہیں اُن پر ہمیشہ ہمیشہ خوف نہیں ہوگا۔ اور اُن لوگوں کو گھڑی گھڑی یہ صورت پیش نہیں آنے کی کہ فوتِ مطلوب پر حزن نہیں ہونے کا۔ واللہ اعلم (بیاض احمدی ص ۱۹-۲۱)

تقریر ترمذی کے دو نمونے: (۱) ''باب ماجاءَ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوب'' نکرہ تحت نفی واقع ہوا جس سے عموم سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی کوئی صلوۃ نہیں جب اقامت صلوٰۃ کی جاوے مگر وہی نماز جس کی اقامت کی گئی ہے۔ تو جن صاحبوں نے یہ سمجھا کہ '' رکعتی الفجر '' بھی جائز نہیں ان کے مذہب میں تو کوئی قصور نہیں۔ لیکن حنفیہ کو اس کا جواب دینا ہوگا کہ صریح حدیث موجود ہے کہ کوئی صلوٰۃ نہیں، پھر حنفیہ نے جو دو رکعت فجر (سنت) کو علیحدہ مکان میں پڑھنے کا حکم دیا اس کا کیا سبب؟ تو یا تو یہ جواب دیا جاوے کہ (حاشیہ بخاری میں) جناب مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ '' بیہقی '' نے روایت کیا ہے کہ اس حدیث میں استثناء رکعتی الفجر کا موجود ہے۔ دلیل عقلی تو یہ کافی ہے اور بپاس خاطر شوافع مان لیا جاوے کہ یہ جو بخاری کے حاشیہ پر موجود ہے (بیہقی کی روایت) پایۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ تو خاص حدیث میں اگر غور کیجئے اور تدبر تو جواب نکل آتا ہے۔ آپ نے اذا کا لفظ فرمایا ہے اور اذا دو حال سے خالی نہیں یا مکانی یا زمانی۔ اگر زمانی مراد ہو تب تو چاہیے کہ مثلاً ہم کو یقینی معلوم ہے کہ ظہر کی اقامت فلاں وقت ہوتی ہے۔ ''کعبہ شریف'' (مسجد الحرام) یا جامع مسجد دہلی میں تو یہاں پر ہم کو سنن ونوافل کا پڑھنا ممنوع ہو۔ حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں۔ یا مثلاً مسجد میں اقامت ہوئی تو معذور کو یا جو اس مسجد سے علیحدہ نماز پڑھ رہا ہو اس کو (نماز پڑھنا) ہرگز جائز نہ ہو۔ تو چونکہ زمانہ پر حمل کرنا محال کو مستلزم ہے۔ تو وہ مراد ہو نہیں سکتا تو اب متعین ہوگیا کہ (اذا) مکانی ہے۔ تو حاصل حدیث یہ قرار پائے گا کہ جس مکان میں اقامت صلوۃ ہو وہاں پر صلوۃ (جائز ہے) نہ کوئی اور نماز جائز ہے۔ امام صاحبؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بے شک اس جلسے اور مکان میں جائز نہیں۔ اگر کوئی سنن پڑھے تو علیحدہ باب مسجد پر یا فصیل مسجد پر۔ یا اگر اقامت اندر ہو تو باہر اور باہر ہو تو اندر پڑھے۔ اور یہی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء مختلف ہیں۔ کوئی تو اس بات کا قائل ہوا کہ باب پر پڑھنا چاہئے۔ اُس نے تو اس بات پر نظر کی کہ ''مرور رجل'' مصلّی کے سامنے جائز نہیں۔ اگر چہ وہ باہر نماز پڑھتا ہو۔ اور کوئی اس بات کا قائل ہوا کہ باہر پڑھ لے اگر اقامت اندر ہوئی ہو اور اندر پڑھ لے اگر اقامت باہر ہوئی ہو۔ تو اس نے اس بات پر نظر کی کہ قاری قرآن ایک آیت سجدہ چند بار اندر

چلتے ہوئے پڑھے تو اس پر ایک ہی سجدہ لازم آئے گا اور اگر باہر آجاوے اور اسی آیت کو پڑھے تو دوبارہ سجدہ لازم آئے گا۔ تو چونکہ جلسہ مختلف ہو گیا تو اس نے اس بات پر نظر کی کہ یہ دونوں کا حکم علیحدہ ہے، وہ مکان اور ہے اور یہ اور ہے۔ اختلاف چھوٹی بڑی مسجد ہونے کے باعث ہے۔ وہ حکم پہلا چھوٹی مسجد کا تھا اور یہ بڑی مسجد کا۔ لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ سنن ظہر میں بھی یہ حکم ہونا چاہئے (تو اس کا یہ جواب ہے) کہ اس کے (ظہر) کے بعد وقت ایسا نہیں جس کے بارے میں نہی وارد ہو۔ جیسا کہ بعد فجر کے نہی وارد ہے تو اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) "باب فضل یوم الجمعة" فضیلت جمعہ کی چار وجوہ بیان فرمائیں۔ جن میں دو تو ایسی ہیں کہ جس سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ بے شک یہ یوم بہت مبارک ہے۔ اس لیے کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نیز اسی دن داخل جنت ہوئے۔ آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا کیسا کچھ امر عظیم ہے۔ جن کے بارے میں یوں ارشاد ہے کہ اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، ملائکہ سے سجدہ کرایا، اسماء کا علم ان کو عطا فرما کر مصداق "انی جاعل فی الارض خلیفه" کا قرار دیا۔ کیسی عظمت ہے نیز دخول جنت۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ "هبوط من الجنة" اور قیام ساعت کیونکر اس کی عظمت کا باعث ہوں۔ اس کو تو یوں کہا جائے کہ باعث نحوست یوم ہے تو بجائے خود ہے اس لیے کہ جیسے اقتران حسنات سے زمانہ کو حسن کہا جاتا ہے۔ ایسی ہی اقتران معاصی سے زمانہ پر معصیت کا مضمون آجاتا ہے۔

ہاں! جواب اس کا یہ دے سکتے ہیں کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ "اخراج من الجنۃ" کتنا بڑا امر مہتم بالشان ہے اس لیے حضرت آدم علیہ السلام جن کے ادنیٰ مراتب مندرجہ بالا ہوئے ان کا اخراج ہوا۔ (بادشاہ کا) ایک ادنیٰ غلام کو نکالنا کوئی بڑا امر نہیں لیکن اپنے بیٹے یا وزیر اعظم کو نکالنا کتنا بڑا امر ہے اور پھر یہ بہانہ نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام اور جملہ انبیاء خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر مرتبہ ظہور میں آتے۔ "وللا سباب حکم المقاصد" چونکہ یہ سبب ہو گیا ظہور انبیاء اور خصوصاً شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ پھر کیونکر نہ سعادت کا دن ہو علیٰ ہٰذا قیام قیامت افنائے عالم کا سبب ہے۔ اگر اس کو فنا نہ ہوتی بلکہ دائم اور خلود کے طور پر رہتا تو دیدار خداوندی اور جنت کا حصول ہم کو ممکن نہ تھا۔ لہٰذا یہ سبب ہو گیا مقصود اعلیٰ کا۔ اس وجہ

سے یوم جمعہ افضل رہا۔ اب اس میں ایک ساعت ہے کہ جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ تطبیق بین الروایتین یوں ہو جاوے کہ اس کو دائر و سائر رکھا جاوے اور وجہ اخفاء؟ سو جیسے ''لیلۃ القدر'' کے بارے میں ۴۵ سے کم وبیش قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز (شب قدر کا) علم دیا گیا اور آپ باہر تشریف لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ دو شخص آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ ان کی باہمی نا اتفاقی سے یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ کے قلب صافی سے باوجود اُن انوار باطنی کے اس علم کو زائل کر دیا۔ (اس وقت کہ سراسر شر ہے نا اتفاقی وحسد اپنا اثر کیونکر نہ پیدا کریں گے) تو یا تو اپنے معاصی باعث اخفاء ہوئے یا یہ کہ اگر اس کو ظاہر کیا جاتا تو ہم لوگ بھروسہ کر بیٹھتے اور یہ سمجھ کر کہ (شب قدر میں) ایک شب کی عبادت کا ثواب تراسی برس کے ثواب کے برابر ہے۔ ہماری عمریں غایۃ فی الباب ساٹھ یا ستر برس کی ہیں۔ بس ایک شب کی عبادت کافی ہے۔ لہٰذا (یہ ساعت جمعہ بھی) مخفی رکھی گئی تاکہ ہمہ اوقات کو حکم اس گھڑی کا سمجھ کر زوال سے لے کر تا بہ غروب مستوعب فی العبادت کر لیں ع

مراعات صد کن برائے یکے

(تاکہ اس ایک ساعت کے طفیل میں سب ساعتیں عبادت میں صرف ہوں)

ازالۃ الوسواس براعتراض تحذیر الناس: قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس'' پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ خصوصاً مولانا محمد علی بچھرایونی نے ان کے جواب میں حضرت محدث امروہیؒ نے ''ازالۃ الوسواس'' نامی کتاب لکھی۔ دوسرے علماء کے اعتراض کا جواب خود حضرت نانوتویؒ نے دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں قلمی مخطوطہ کی شکل میں ''پھلاودہ'' کے ذخیرہ میں ہے۔ ''ازالۃ الوسواس'' انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کتاب کو مولانا محمد اسمٰعیل علی گڈھیؒ، فخر العلماء مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا آلِ حسن نخشی امروہیؒ اور مولانا عبد الہادی امروہیؒ وغیرہم نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ مولانا پھلاودیؒ کو مکتوب ۲ میں تحریر کرتے ہیں:

''بسم الرحمٰن الرحیم احقر الزمن احمد حسن عفی عنہ، بخدمت سراپا عنایت برادرِ مکرم خویش حافظ عبد الغنی صاحب سلام مسنون۔ بہزار شوق مشحون عرض کر کے تحریر کرتا

ہے...............میں نے ''ازالۃ الوسواس'' کی نقل سے فراغت پالی ہے۔ ان شاءاللہ آج دہلی بھیج دوں گا۔اس کا مسودہ میں آپ کی خدمت میں نہیں بھیج سکتا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب (علی گڈھی) اور مولوی فخر الحسن صاحب (گنگوہی) وغیرہما نے اس رسالہ کو سنا۔ان کو بہت پسند آیا۔وہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی ''تحذیر الناس '' پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات دینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔اگر یہ تحریر بھی جواب دیتے وقت ہمارے سامنے ہو تو بہت اچھا ہے۔ان سے میں نے وعدہ کیا ہے کہ اپنی واپسی پر بالضرور اس کا مسودہ آپ حضرات کی خدمت میں بھیجوں گا۔ لہٰذا فی الحال اس کے بھیجنے سے معذور ہوں۔اس کی نقل کی فکر میں ہوں۔اگر نقل ہو جائے تو بہتر ورنہ عجب نہیں کہ آئندہ یہی مسودہ آپ کے پاس رہے۔ایک دو ورق کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔اب جبکہ احقر کے قلم کے نیچے وہ مسودہ آ گیا ہے اور احقر نے باریک قلم سے اس کو لکھا ہے۔بارہ ورق ہو گئے ہیں۔

مولوی آلِ حسن صاحب (بخشی امروہی مؤلف ''نخبۃ التواریخ'') اور مولوی عبدالہادی صاحب نے بھی اس مسودہ کو سنا تھا۔بظاہر بہت مداح تھے۔آگے خدا جانے کہ ان کے دل میں کیا تھا۔اس مرتبہ مولوی آلِ حسن صاحب احقر سے کمالِ محبت اور اخلاق سے پیش آ رہے ہیں۔اگر چہ ''تحذیر الناس'' کے بارے میں پہلے بہت کچھ سخت سست کہتے تھے مگر اب احقر کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے ہیں بلکہ تعریفیں کرتے ہیں۔میں بھی ان سے اخلاق و محبت سے پیش آتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال کو باقی رکھے[1]۔''

مولانا محمد حسنؒ اسرائیلی سنبھلی سے تحریری مناظرہ:

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کا مولانا سنبھلی سے تحریری مناظرہ ہوا۔جس کا تعلق بعض

---

[1] مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

مسائل عقائد و کلام سے تھا۔ خصوصاً مسئلہ امکان و امتناع نظیر حضرت بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق چاہی۔ مولانا سنبھلی کے خط کا انداز مناظرانہ تھا۔ حضرت محدث امروہیؒ نے اسے تضیع اوقات سمجھ کر جواب نہ دیا۔ اور معذرت کر لی۔ مولانا سنبھلی صاحب نے اس معذرت سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت محدث امروہیؒ تاب مقابلہ نہ لا سکے۔ حضرت محدث امروہیؒ نے مجبور ہو کر ان سے تحریری مناظرہ شروع کیا۔ دونوں فریقوں کے درمیان اس موضوع پر جن خطوط کا تبادلہ ہوا وہ مولانا محمد یحیٰ شاہ جہانپوریؒ نے ''افادات احمدیہ'' حصہ دوم میں جمع کر دئے ہیں۔

مولانا محمد حسن سنبھلیؒ نے جو فارسی خطوط حضرت محدث امروہیؒ کو لکھے ہیں ان کی عبارت میں تصنع اور تکلف ہے۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی قابلیت کا سکہ بیٹھانے کے لیے انھوں نے ثقیل الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت محدث امروہیؒ کے خطوط کی زبان سادہ اور بے تکلف ہے۔ نمونہ خط مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

''مولانا محمد حسن سنبھلیؒ لکھتے ہیں:

انچہ ربط و اتحاد فیما بین در سابق بظہور پیوستہ و ایتلافی سالف کہ در تہ دل نشتہ ظاہر و منجلی است، لما احیائے ارض مودّت بدون تجدِدِ امثالِ ملاقات متصور نبود بلکہ بغیر استدامت و استمرار ابہاجِ مواصلت ظاہر نشود لاکن چوں دریں خصوص وجود تغشیہ اغشیہ ہیولانی و غواشی حواشی جسمانی از تمشیت کارخانہ امضائے اعمار و تبقیتِ مجاری امرارِ اعصار مانع تکثر افراد وصال آمد......

ترجمہ: ماضی کے تمام آپسی ربط و اتحاد اور دل کے نہاخانوں میں موجود گذشتہ تعلقات ظاہر و نمایاں ہیں لیکن کشتِ الفت کو شادابیِ پیہم ملاقاتوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ تواتر و استمرار کے بغیر وصل کی خوشی میسر آنا ممکن نہیں۔ لیکن چونکہ اس خاص میں قحط زدہ زمین کی سیرابی کا کارخانہ چلانے کے ذریعہ اور افراد کی کثرت سے روکنے والے زمانہ کی گردش کو باقی رکھنے کے ذریعہ روحانی جذب و

کیفیت اور جسمانی عطا پائی جاتی ہے اس لیے وصال حاصل ہو گیا۔

حضرت محدث امروہیؒ تحریر کرتے ہیں:

والا نامہ کہ انتخاب صراح وقاموس است رسید، بر مضامنیش اطلاع دست دار۔ ملتمس ہائے فقیر اگر بسمع قبول نیامد، دعوی خویش با دلائل زیب رقم فرمایند۔ ہر چہ بخاطر فاتر خواہد رسید گذارش خواہم نمود جواب مختصر سادہ، نبشتم کہ از خدمتِ طلباء فرصتم نیست۔

ترجمہ: آپ کا خط جو صراح وقاموس سے چھانٹ کر لکھا گیا ہے، ملا۔ اور اس کے مشمولات سے واقفیت ہوئی۔ بندے کی گذارش اگر قبول نہ ہوں تو اپنا دعویٰ عمدہ دلائل کے ساتھ لکھ دیں۔ جو کچھ دل میں آئے گا میں گوش گذار کر دوں گا۔ میں نے مختصر اور سادہ خط لکھا ہے کیونکہ طلباء کی خدمت سے فرصت نہیں ملتی۔"

اس مناظرہ تحریری میں حضرت محدث امروہیؒ نے مولانا سنبھلی کو دعوت دی کہ پہلے وہ اپنے ثبوت میں دلائل امکان دیں۔ حضرت محدث امروہیؒ نے لکھا کہ نصوص قطعیہ عمومِ قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ مولانا سنبھلیؒ نے لکھا کہ امکان میں کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ عمومِ قدرت تا بممکنات ہے۔ انھوں نے عبارت آرائی سے زیادہ سروکار رکھا اور اِدھر اُدھر کے ذیلی مباحث میں اُلجھاتے رہے۔ کوئی خاص اور اہم دلیل نفس موضوع پر نہ لائے۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط میں لہجے کی شوخی بھی بڑھتی گئی۔ ایک خط میں لکھا کہ "محض طی کتب بکار نمی آید شعور و تمیز ہم می باید"

حضرت محدث امروہیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ انداز گفتگو مناسب نہیں۔ مولانا سنبھلی نے طنزاً "متبحر" بھی لکھا تھا۔ مولانا امروہیؒ نے لکھا میں نے معقولات کے چند چھوٹے رسالہ پڑھے ہیں اور تھوڑی سی مناسبت معقولات سے ہے۔ "آں مخدوم زہراب یونانیاں تا بگلو کشیدہ اند و آں ہم از دست کسانیکہ ثانی ارسطو و فلاطون و بوعلی سینا باید گفت۔ تبحر بہ شانِ والا می زیبد۔"

مولانا سنبھلی نے لفظی گرفت بھی شروع کر دی تھی۔ حضرت محدث امروہیؒ نے ایک جگہ سہواً

''شغب'' کی جگہ ''شغف'' لکھ دیا تو اس پر فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ متناقضین کی جگہ متقابلین کا محل ہے۔
مولانا محمد حسن سنبھلی نے آخر میں معذرت کر لی تھی اور لکھا تھا از آئندہ ایں عاصی را خادم وخود را مخدوم پندارند وسینۂ خدرا از شاہبۂ غل وتکدر پاک دارند۔

مولانا سید عبد الغنی پھلاودی کو اس مناظرہ سے متعلق مکتوب ۳ میں ارقام کرتے ہیں:
''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. احقر الزمن احمد حسن عفی عنہ بخدمت برادر مکرم حافظ عبد الغنی صاحب سلام مسنون پیش کر کے عرض کرتا ہے.................میرا حال یہ ہے کہ مولوی محمد حسن صاحب (اسرائیلی سنبھلی) کی طرف سے بظاہر نجات حاصل کر لی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ میں نے مراد آباد پہنچ کر ایک خط ان کو بلانے کے لیے بھیجا۔ غرض یہ تھی کہ تقریری مناظرہ ہو جائے۔ میں نے اس خط میں ان کو لکھا تھا کہ اپنے نیاز مند کے خط کو دیکھتے ہی جلد اپنے آپ کو مراد آباد پہنچائیں۔ احقر آپ کی آمد کے انتظار میں ہے۔ اگر تشریف آوری میں کچھ توقف اور تساہل فرمائیں گے تو یاد رکھئے کہ گویا آپ میدانِ مناظرہ سے فرار اختیار کریں گے اور اسی نہ آنے پر بات ختم ہو جائے گی۔
آج بہت عرصہ بعد ان کا خط پہنچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:
آپ نے اپنی تحریر میں بہت بدزبانی کی ہے۔ تقریر وگفتگو میں آپ اور بھی زیادہ سخت باتیں کریں گے اور کیا عجب ہے کہ فساد کی نوبت آ جائے۔ ناچار ملاقاتِ سابقہ کو پیش نظر رکھ کر اس قسم کے بیہودہ شور وشغب کو پسند نہیں کرتا ہوں اور آپس میں امت کے فساد کو اپنی گردن کا بوجھ نہیں بنا سکتا ہوں۔ لہٰذا فی الحال اپنے آنے میں توقف کر رہا ہوں اور اگر خواہ مخواہ بغض وکینہ آپ کے دل میں بیٹھا ہوا ہے اور فن حدیث وفقہ وغیرہما کے حاصل کرنے سے یہی دولت (مناظرہ) آپ کے حصہ میں آئی ہے تو خیر صبر کریں۔ ان شاء اللہ عید کے بعد مراد آباد پہنچوں گا اور جو

کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

غالب گمان یہ ہے کہ ان کے خط کا مضمون بلاکم و کاست میں نے ادا کر دیا ہے۔ البتہ (ہو بہو) ان کے الفاظ ادا کرنے کی مجھے طاقت نہیں ہے۔ ان کے خط کے دیکھنے سے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ یہ بھی عجب فرار ہے۔ تاب مقابلہ بھی نہیں لائے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ بے شک یہ تمام ثمرہ ونتیجہ اس بات کا ہے کہ میں نے حضرت مولانا ومرشدنا (محمد قاسم نانوتوی) کا ایک غلام ہوں ورنہ میں کہاں اور یہ کار مناظرہ کہاں۔ من آنم کہ من دانم (میں وہ ہوں جو اپنے آپ کو خود جانتا ہوں) اور آپ بھی جانتے ہیں[1]۔"

حضرت محدث امروہیؒ کا یہ مناظرہ مدرسہ خورجہ کی تدریس کے زمانہ کا ہے۔

افاداتِ احمدیہ کا یہ قلمی نسخہ پھلاودہ کے کتب خانہ میں ہے۔ احقر مرتب نے مولانا فریدیؒ کو کچھ حصہ سنایا تھا۔

عادات واخلاق: اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ اخلاق حسنہ کا مجموعہ تھے۔ ہاں دین کی حمایت میں غصہ وجلال نمودار ہو جاتا تھا۔ تواضع، مہمان نوازی، شفقت علی الخلق اور صلہ رحمی میں فرد تھے۔

علم کا وقار اور دین کی عظمت قائم رکھنے کے لیے خودداری کے ساتھ رہتے تھے۔ پوری عمر درس وتدریس، وعظ وپند، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں گذاردی۔ اپنے شاگردوں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان پر دوران تعلیم میں سختی بھی بر بنائے شفقت ہی تھی۔ اور اہل سنت و جماعت کے فروعی اختلافی مسائل کو حکمت عملی کے ساتھ سلجھاتے تھے۔ جھگڑے یا مناظرہ کی نوبت نہیں آنے دیتے تھے۔ ملت بیضا کی ترقی کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا۔ دین میں خلل ڈالنے والا کوئی فتنہ پیدا ہوتا تو اس کی فوراً خبر لیتے تھے اور جلد ختم کر دینے کی کوشش فرماتے تھے۔

عوام الناس سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مریضوں کی عیادت کے لیے جاتے تھے۔ شہر میں

---

[1] بحوالہ مکتوبات سید العلماء مرتبہ مولانا فریدیؒ (محب الحق)

وعظ کے لیے جب کوئی بلاتا تھا تو بلا تکلف اس کے گھر پر پہنچ کر وعظ فرماتے۔ شادی وغمی کے رسوم ورواج اور بدعات کی روک تھام کرتے تھے۔ شاگردوں، مریدوں اور خادموں کے حالات کی خبر گیری رکھتے تھے۔ شہری طلباء کے ورثاء سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ علم دین کی ضرورت اور اس کی فضیلت بیان کر کے علوم عربیہ کی عظمت عام ذہنوں اور دماغوں میں پیدا کرتے تھے۔ اپنی جدو جہد سے انھوں نے کافی تعداد شہری طلباء کی جمع کر لی تھی۔ باہر کے طلباء کو مہمانان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصور کرتے ہوئے اور طلباء کے حق میں وصیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھ کر ان کی ہر طرح کی نگہداشت ونگرانی فرماتے تھے۔ اولیاء اللہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی۔ اپنے وطن کے بزرگان دین کے مزارات پر کبھی کبھی برائے فاتحہ حاضر ہوتے تھے۔ زندہ اہل ذکر اور صاحب حال بزرگوں سے اچھے روابط تھے۔ اپنے عزیزوں کے مکانوں پر ان کی خیریت کے معلوم کرنے کے لیے پابندی کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے جب ملتے تو ان سے خوش طبعی کی باتیں کرتے۔ حکام وقت سے برابری اور خودداری کے ساتھ ملتے اور شہر کی کوئی ضروری آواز ہوتی اس کو پہنچاتے۔ انگریز (نصاریٰ) اور ان کی تہذیب کے سخت مخالف تھے۔ درس میں بعض اوقات فرماتے کہ کونسا وقت آئے گا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور ان کیری آنکھوں والوں (نصاریٰ) سے جہاد کروں گا۔

حلیہ: میانہ قد، دوہرا جسم، خوبصورت وحسین چہرہ، داڑھی پر آخر میں وسمہ ومہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ آپ کا حسن مشہور تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے کسی موقع پر فرمایا ہے کہ ایک صاحب (غالباً الہ آباد کے) جب کسی ذی کمال کے متعلق تعریفی کلمات ادا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے میں فلاں شخص کے فلاں کمال کی رجسٹری کرتا ہوں (یہ گویا ان کا تکیہ کلام تھا)۔ مثلاً شاہ محمد سلیمان صاحب پھلوارویؒ "مثنوی مولانا روم" بہت عمدہ انداز میں پڑھتے تھے۔ ان کے متعلق کہتے تھے کہ میں ان کی خوش الحانی کی رجسٹری کرتا ہوں۔

حضرت محدث امروہیؒ کے متعلق وہ صاحب کہا کرتے تھے میں "ان کے حسن کی رجسٹری کرتا ہوں"۔

دینی عظمت وشوکت کے ساتھ ساتھ سراپا حسن اور مجسم محبوبیت تھے۔ ان کے بعض دیکھنے والے ان کے حسن وجمال اور فضل وکمال کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے ہیں، اور جگر مرادآبادی کا یہ شعر ان

کے واردات قلب کا ترجمان بن جاتا ہے۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سما رہے ہیں

یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

صوفی نور اللہ صاحب عیش امروہوی مرحوم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ "میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بشکل مولانا امروہیؒ خواب میں دیکھا ہے"

ان کا چہرۂ تاباں اسلامی عظمت کا مظہر تھا، ان کی جبین روشن، حسن اخلاق کی آئینہ تھی، ان کے گیسوئے اقدس سے روحانی کیفیات مشک ریز اور عنبر بار تھیں، ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا ع

"چہ خط چہ رخ چہ جبین لا الہ الا اللہ"

لباس: لباس عمدہ اور نفیس پہنتے تھے، مگر بعض اوقات سفر میں بھی معمولی کپڑے زیب تن فرمانے میں عار نہ تھا، معمولی سے معمولی کپڑا بھی حضرتؒ کے جسم مبارک پر زیب دیتا تھا۔ عمامہ ایک خاص طرز پر باندھتے تھے جو بہت ہی خوش نما معلوم ہوتا تھا۔ عینک (چشمہ) لگاتے تھے۔ حکیم مختار احمد صاحب صدیقی امروہی فرماتے تھے کہ ہماری بخاری شریف جس سال ختم ہوئی تو مولانا امروہیؒ تین بزرگوں کے تین کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ان میں غالباً ٹوپی حاجی امداد اللہؒ کی اور کرتا پاجامہ شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر مدنیؒ اور حضرت قاسم العلوم نانوتویؒ کا۔ باوجودیکہ تینوں کپڑے بے جوڑ تھے مگر جسم مبارک پر بہت سج رہے تھے۔ سچ ہے۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی ☆ قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

عید کے دن اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ جب آپ اپنے مکان سے ایک بڑے مجمع کے ساتھ عید گاہ کی جانب نکلتے تھے تو لوگ کھڑے ہو کر آپ کے جمال دل افروز اور حسن دلکش کا نظارہ کرتے تھے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے ایسے بزرگوں کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا ہے اور عقیدت واحترام کی آنکھوں سے زیارت کی ہے۔

مہر کا سجع: حضرت محدث امروہیؒ کی مہر پر اول اول "اسمہ احمد" کندہ تھا۔ بعدہٗ یہ مصرعہ سجع کے طور پر کندہ

ہوا ''دل مرتضیٰ جان احمد حسن''

چند لطائف: حضرت محدثؒ عالمانہ ثقاہت کے ساتھ کبھی کبھی مزاح وخوش طبعی بھی فرمالیا کرتے تھے۔ان کے بہت سے لطائف مشہور ہیں۔ان میں سے چند مختصر طریقہ پر لکھتا ہوں۔

(۱) حقہ پینے والے کو محقق فرمایا کرتے تھے۔

(۲) شاہ بہاؤالدین نقشبندیؒ ایک بزرگ امروہہ میں گذرے ہیں۔وہ ایک مرتبہ سرمہ (غالباً مدینہ منورہ کا) تحفۃً لائے اور از راہِ خوش طبعی و بے تکلفی یہ فرمایا کہ مولانا یہ سرمہ لگا کر ہمیں اپنی آنکھیں دکھانا۔حضرت محدث امروہیؒ نے برجستہ فرمایا شاہ جی! شریف آدمی آنکھیں نہیں دکھایا کرتے۔

(۳) شیعہ قیامت میں دیدارِ خداوندی کے منکر ہیں۔ایک مرتبہ اس مسئلہ کا تذکرہ حضرتؒ کے سامنے چھڑ گیا۔فرمایا (اس مسئلہ میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں) رب البیت ادریٰ بمافیہ ہر شخص اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے۔شیعہ کہتے ہیں کہ دیدار خداوندی نہیں ہوگا وہ اپنے گھر کی بات بتلا رہے ہیں۔ان کو دیدارِ خداوندی نہیں ہوگا،نہیں ہوگا،یقیناً نہیں ہوگا۔ہم اپنے گھر کی بات کہہ رہے ہیں کہ دیدارِ خداوندی ہوگا،ہم کو دیدارِ خداوندی ہوگا،ضرور ہوگا،ضرور ہوگا۔

(۴) مرادآباد میں موتمر الانصار (دیوبند) کا جلسہ حضرت محدث امروہیؒ کی صدارت میں ہوا تھا۔سہولت کی غرض سے کھانے کے ٹکٹ کا وہاں انتظام تھا۔حضرتؒ مکانِ طعام میں داخل ہونے لگے تو ٹکٹ ہمراہ نہیں تھا۔دروازہ پر جو رضا کار کھڑے تھے ان سے فرمایا ''ہم بیرنگ ہیں'' (ہمارے پاس ٹکٹ نہیں ہے)

حضرت شیخ الہند دیوبندیؒ اور حضرت محدث امروہیؒ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ اور حضرت محدث امروہیؒ میں خلوص ومحبت کے جو مراسم تھے وہ اس دور میں استاد بھائیوں میں ڈھونڈے سے بمشکل ملتے ہیں۔جب حضرت امروہیؒ دیوبند جاتے تھے تو حضرت شیخ الہندؒ کے لیے عید ہوجاتی تھی۔باغ باغ ہوجاتے تھے۔اور جب حضرت شیخ الہندؒ امروہہ تشریف لاتے تو حضرت امروہیؒ پھولے نہ سماتے۔شاد شاد ہوجاتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ اسی تعلق کی بناپر کئی مرتبہ امروہہ تشریف لائے ہیں۔حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے

استاد بھائی کی وفات سے متاثر ہوکر جو مرثیہ لکھا ہے (جس کو عنقریب آپ پڑھیں گے) وہ ایک غمگین کی درد بھری آہ ہے جو دل سے نکل کر دل پر اثر کر رہی ہے۔ اس مرثیہ کا ایک ایک لفظ جذباتِ غم کا آئینہ دار ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاد بھائی کے صاحبزادے مولانا سید محمد صاحب عرف بنے میاں پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔

بعض اوقات ان کو دیکھ کر جوش مسرت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ مالٹا کے خطوط میں جو احقر کے پاس محفوظ ہیں۔ حضرت محدث امروہیؒ کے صاحبزادے کو برابر یاد فرماتے ہیں۔ وہاں کے ایک مکتوب میں حافظ زاہد حسن صاحب امروہی کو تحریر فرماتے ہیں:

"یہ تو فرمایئے مولانا مرحوم کے صاحبزادے کس مشغلہ میں ہیں؟ کتب ضروریہ سے فارغ بھی ہو چکے؟ اللہ کرے بخوبی فارغ ہو کر اپنے مقدس بزرگوں کے پیروں ہوں۔"

مالٹا کے دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"قاری سید محمد صاحب کو سلام مسنون! کاش! آپ یہ بھی لکھ دیتے کہ کتب درسیہ سے فارغ ہو گئے اور اب یہ مشغلہ ہے۔[1]"

مولانا حافظ محمد احمد ابن قاسم العلوم اور حضرت مولانا امروہیؒ:

اپنے روحانی رشتہ کی بنا پر حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ امروہہ کئی مرتبہ تشریف لائے۔ حضرت محدث امروہیؒ استاد زادے کی آمد پر بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ ربط والفت اور کششِ محبت دیکھئے کہ حضرتؒ کے استاد زادے ان کا آخری دیدار کرنے وفات کے وقت امروہہ پہنچ گئے تھے۔ انھوں ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا امروہیؒ:

حضرت مولانا تھانویؒ حضرت محدث امروہیؒ کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔ اور

---

[1] یہ دونوں مکتوب مفصل مقالات فریدی جلد اول میں ملاحظہ کریں۔ (محب الحق)

حضرت امروہیؒ کو بھی ان سے تعلق خاطر تھا۔ مراد آباد میں ''موتمر الانصار'' کے جلسہ میں تمام اکابر جمع تھے۔ مختلف مکانوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن حضرت محدث امروہیؒ ایک خاص مشورے کے لیے سب کو ایک جگہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ اپنے شاگرد مولانا انوار الحق صاحب عباسی مرحوم کو بھیجا کہ مولانا تھانوی وغیرہ سے کہو کہ مجھے ایک مشورہ کرنا ہے۔ میں خود ان کے پاس آؤں یا وہ میری قیام گاہ پر آ جائیں گے؟ جب یہ پیغام مولانا تھانویؒ نے سنا تو گھبرا کر فرمایا مولانا تکلیف نہ فرمائیں ہم سب ان کی قیام گاہ پر آ رہے ہیں۔

مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا تھانویؒ کے دو ایک ملفوظات مولانا امروہیؒ کے بارے میں اور پیش کر دوں۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ اشرف السوانح جلد اول ص ۱۵۷ و ۱۵۸ پر لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بہت محبوب اور ارشد تلامذہ میں سے تھے اور طریق باطن میں غالباً شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے مجاز تھے۔ آپ مشاہیر علماء ہند سے تھے اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریر و تحریر اور مہارتِ مناظرہ شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کا اور حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کا مختلف جلسوں میں، مختلف مقامات پر بارہا ساتھ ہوا اور دونوں کو تقریر کرنے اور ایک دوسرے کے بیان سننے کا اتفاق ہوا۔ جانبین ایک دوسرے کا بہت ادب و لحاظ فرماتے تھے۔ حالانکہ حضرت والا عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ ایک بار حضرت والا امروہہ میں مولانا کے یہاں مہمان ہوئے۔ اتفاق سے بیت الخلاء پوچھنا بھول گئے۔ پچھلی شب میں قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو سخت پریشان ہوئے کہ اس وقت کس سے پوچھا جائے۔ اسی شش و پنج میں تھے کہ یکایک حضرت مولانا گھر میں سے باہر تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا کہ استنجے کی ضرورت تو نہیں؟ حضرت والا نے ضرورت ظاہر فرمائی تو پردہ کرا کے زنان خانے میں لے گئے۔ بیت الخلاء میں مولانا خود اپنے دست

مبارک سے استنجے کے ڈھیلے اور پانی کا لوٹا رکھ آئے۔ حضرت والا کو سخت گراں گذرا اور بہت پس و پیش کی حالت میں فرمایا کہ یہ ڈھیلے تو تبرک ہو گئے۔ اب استنجاء کاہے سے کیا جائے لیکن مولانا نے بغایت تواضع فرمایا کہ کیا ہوا اگر میں نے ہی رکھ دیئے۔ حضرت والا اس واقع کو نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری جماعت میں مولانا (امروہیؒ) بہت ہی نفیس لباس پہنتے تھے۔ جو بظاہر تکلف کی حد تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ مجھ کو یہی گمان تھا لیکن اس دن سے میں مولانا کی تواضع، بے تکلفی اور سادگی کا بے حد معتقد ہو گیا اور سمجھ گیا کہ مولانا کی خوش لباسی کا منشا نفاست و لطافتِ مزاج تھا نہ کہ تکلف۔

حضرت والا حضرت مولانا کے بعض پُر لطف مناظرے، مکالمے جو نو تعلیم یافتوں سے ہوئے تھے نہایت (دلچسپی) کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں۔ ذیل کا واقعہ حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات ہفت اختر میں حضرت محدثؒ کے طرز استدلال سے متعلق درج ہے۔ فرماتے ہیں:

ایک مولوی صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے۔ کسی اسٹیشن پر کسی ضرورت سے اترے اور چند طلباء انگریزی خواں سوار ہوئے اور ان کے اسباب کو منتشر کر دیا۔ انھوں نے کہا کیا آپ لوگوں کی یہی تہذیب ہے؟ خیر وہ شرمائے اور اسباب بدستور رکھ دیا۔ لیکن اپنی شرمندگی کے انتقام میں مولوی صاحب کو بنانا چاہا اور موقع کے منتظر رہے۔ مولوی صاحب نے اتفاق سے نماز پڑھی۔ بعدِ فراغتِ نماز ان طلباء نے کہا ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں؟ مولوی صاحب کہا ہاں! پوچھا، نماز فرض ہے؟ اتنا تجاہل ظاہر کیا گویا وہ جانتے ہی نہ تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں فرض ہے۔ سوال ہوا کہ پنجگانہ نماز فرض ہے اور ہر جگہ فرض ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ پنجوقتہ اور ہر جگہ فرض ہے۔ طلباء نے سوال کیا جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ

ماہ کی شب ہوتی ہے جس کو ''عرضِ تسعین'' کہتے ہیں۔وہاں کس طرح ادا کریں گے؟ مولوی صاحب نے جز بز ہو کر کہا کیا آپ لوگ وہاں سے آرہے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔کہا جارہے ہیں؟ طلباء نے جواب دیا نہیں۔مولوی صاحب نے فرمایا بس رہنے دو فضول باتیں نہیں بناتے۔اس پر طلباء نے اور ایک دوسرے صاحب میانہ عمر کے تھے انھوں نے قہقہہ لگایا۔اُس سے مولوی صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔مولانا امروہیؒ بھی اس گاڑی کے متصل دوسری سیٹ پر تھے۔اور سب واقعہ دیکھ رہے تھے انھیں ان میانہ عمر والے صاحب کے ہنسنے پر غصہ آیا۔اگلے اسٹیشن پر پہنچ کر ان کی برابر والی سیٹ پر تشریف لے گئے اور موقع کے منتظر رہے۔ اتنے میں وہی صاحب نماز کے واسطے اٹھے اور طلباء اتر گئے مولانا (امروہی) خوش ہوئے کہ یہ تو نمازی آدمی ہیں۔ان کو سمجھنا سہل ہوگا۔جب نماز پڑھ چکے تو مولانا نے ان سے پوچھا کہ میں کچھ دریافت کرسکتا ہوں؟ نہایت بددماغی سے جواب دیا ہاں! کیونکہ مولانا موصوف سادہ وضع تھے، گو طبقۂ علماء میں رنگین طبع اور شوقین شمار کیے جاتے تھے۔دریافت کیا، آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اس کا بھی جواب دے دیا۔پوچھا آپ کس عہدے پر ممتاز ہیں؟ وہ بھی بتادیا۔دریافت کیا کہ کس وقت سے کس وقت تک روزانہ کام کرنا پڑتا ہے؟ ان صاحب نے وہ وقت بھی بتادیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے سوال کیا کہ اگر گورنمنٹ کی حکومت ''عرض تسعین'' میں ہوجائے اور وہاں آپ کو بھیج دے تو وہاں یہ وقت کس طرح ملے گا؟ یہ سن کر وہ صاحب سنبھلے اور فرمایا وہاں اندازہ کرلیا جائے گا۔مولانا ممدوح نے فرمایا کہ بہت حسرت وافسوس کا مقام ہے کہ ایک حاکم مجازی کے قانون کی تو یہ عظمت کہ اس پر جو اشکال واقع ہو اس کی آپ اس طرح توجیہہ کرلیں اور حاکم حقیقی کے قواعد وضوابط پر تمسخر کریں اور مضحکہ اڑائیں۔جاہل اعتراض کریں اور آپ ہنسنے میں ان

کا ساتھ دیں اور اس کے جواب میں ایسے چست و چالاک ہوں۔ وہاں آپ سے یہی جواب نہ سمجھا گیا۔ خیر وہ تو بچے تھے، افسوس آپ پر ہے۔ بیچارے نے منبر سے اتر مولاناؒ کے قدموں کو پکڑ لیا اور خوب روئے اور کہنے لگے کہ ان لڑکوں کو دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" اگر آپ کی والدہ ماجدہ سے کوئی گستاخی کرنے لگے تو آپ کو اسے دیکھ کر ہنسی آئے گی؟ یا قہر و غضب سے آپ تھرا جائیں گے۔ افسوس ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت ماں کی برابر بھی آپ کی نگاہ میں نہ ہوئی۔"

مرض اور وفات: ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتہ میں چند روز شدید بخار آیا۔ اس سال طاعون کی وباء شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ بالآخر اسی میں مبتلا ہو کر "المطعون شہید" کا مصداق[1] بن گئے۔

۲۸، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بعد نمازِ عشاء ۱۱ بجے شب آپ کا وصال ہوا۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ موافق ۱۹ مارچ ۱۹۱۲ء بروز سہ شنبہ صحنِ جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں دفن[2] ہوئے۔

انتقال سے کچھ دیر پہلے بسترِ مرگ پر لیٹے لیٹے آخری وعظ فرمایا۔ بھتیجی سے وعدہ تھا کہ ان کے مکان پر وعظ فرمائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی اللہ کے یہاں سے بلاوا آ گیا۔ اس وقت بھتیجی حاضر تھیں۔ شاید ان سے فرمایا بھی کہ وعظ کا وعدہ تھا لو اب سن لو (پھر موقع ملے نہ ملے)۔

نمازِ عشاء کا وقت ہو گیا تو اشاروں سے آخری نماز ادا فرمائی اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

مولانا قمر الدین صاحب سنبھلی مدظلہ کا بیان ہے کہ حضرت مولاناؒ کے چچا زاد بھائی مولوی سید آلِ علی صاحب مرحوم نے ان سے فرمایا تھا کہ حضرتؒ کے آخری کلمات **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم** تھے۔ نمازِ جنازہ استاد زادہ حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ نے پڑھائی۔ دفن سے پہلے

---

[1] شہیدِ اعظم (۱۳۳۰) بھی آپ کا مادۂ سالِ وفات ہے۔ [2] وفات سے کچھ عرصہ پہلے اس جگہ کو اپنے آخری آرام گاہ کے لیے منتخب کیا اور مولوی عبد الحق صاحب عباسیؒ سے وصیت فرمائی تھی۔ (فریدی)

پہلے مرادآباد، بچھرایوں، حسن پور، سنبھل اور اطراف و جوانب کے دیہات و مضافات سے ہزاروں کی تعداد میں عوام و خواص آ گئے تھے۔ اتنا بڑا مجمع یہاں کسی جنازہ میں نہیں دیکھا گیا۔ جامع مسجد کی پشت پر پانباڑی نام کا تالاب اس وقت خشک تھا۔ وہاں نمازِ جنازہ ہوئی۔

حضرتؒ کی دائمی مفارقت ایک ایسا سانحۂ دل گداز اور واقعہ جاں فرسا تھا کہ علاوہ معتقدین و متوسلین کے ہر شخص پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ امروہہ ہی میں نہیں اس حادثۂ عظیم سے پورے ملک میں غم والَم کی لہر دوڑ گئی۔ خدام کے دلوں کی ہر دھڑکن ماتم کناں تھی اور ان کی آنکھوں کا ہر آنسو زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ آہ! صد آہ! اللہ کا پیارا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی، حاجی امداد اللہؒ کا خلیفہ مجاز اور حضرت مولانا نانوتویؒ کا محبوب شاگرد، اسلام کا محافظ، بہترین متکلم و مناظر، پوری عمر اشاعتِ علم دین میں گذار دینے والا معلم جس کی صورت و سیرت سے اسلام کی حقانیت نمایاں، جس کی ہر ادا سے خلوص وللّٰہیت آشکارا۔ وہ آج! دنیا سے چل بسا۔ آفتابِ علم زیرِ زمین غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اکابر دیوبند کے آپ کی وفات پر تاثرات: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ نے رسالہ ''القاسم'' (ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ) کے ابتدائی صفحات پر اپنے جو تاثرات سپرد قلم کئے ہیں جی چاہتا ہے کہ ان کو بعینہٖ پیش کر دیا جائے:

> ''ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کا آخری دن بھی مسلمانوں کے لئے نہایت پر آشوب دن تھا۔ جب کہ ان میں سے حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی قدس سرہ اٹھا لیے گئے۔ ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی بنیادیں متزلزل اور ان کا عالیشان دینی قصر منہدم ہو رہا ہے اور آزادی و لا مذہبی کے سیلاب میں ان کے استقامت و استقلال کو صدمۂ عظیم پہنچا دیا ہے۔ مولانا کا وجود خدا تعالیٰ کی رحمت تھی۔ آپ کی ذات سے اسلام کی امیدیں وابستہ تھیں۔ اہلِ اسلام آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ کر لیتے تھے۔ آپ کا عالم سے اُٹھ جانا حقیقتاً تمام عالم کے لیے یکساں مذہبی اسلامی حادثہ ہے۔ مسلمان ہر طرف سے مصائب و آلام، حوادث و فتن کے

آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔

برزمیں نا رسیدہ می پُرسد
خانۂ انوری کجا باشد

کے مصداق ہیں۔اس حالت میں ان کے لیے کوئی سہارا ہے تو یہی کہ اُن کے اندر ایسے سچے عالم جو دین کو سنبھالنے والے اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے والے ہوں، موجود رہیں۔مگر نہایت افسوس، نہایت قلق وحسرت، نہایت اضطراب و پریشانی کا وقت ہے کہ ان نمونہ اسلاف اور کشتیٔ اسلام کے ناخدا بزرگانِ دین سے بھی دنیا خالی ہوتی جاتی ہے۔اس آخری زمانہ میں جبکہ مسلمان انتہاءقعرِ تنزل میں اترتے چلے جاتے تھے۔مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہما کا وجود اسلام اور مسلمانوں کے لیے پُشت پناہ بنا ہوا تھا۔حضرت قاسم العلوم والمعارف کی وفات عالمگیر اور اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی حادثہ تھا۔مگر آپ کے بہت سے لائق وکامل تلامذہ میں چند حضرات اس درجے کے بھی تھے جو آپ کی جانشینی کا پورا حق ادا کر سکتے تھے۔جن کو مولانا اپنی اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔مولانا احمد حسن صاحب میں اس قدر اوصاف وکمالات مجتمع تھے کہ کسی شخص واحد میں ان کا اجتماع دشوار عادی ہے۔علمی تبحر، ورع وتقدس اور اُن کے ساتھ اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر اوصاف خاصہ میں سے تھے۔آپ کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔خلافِ شرع امور اور منکرات پر مداہنت کو ہر گز جائز نہ رکھتے تھے۔مگر ان سب کمالات کے ساتھ جس امر نے آپ کو ممتاز بنا کر رفعت وعظمت کے آسمان پر پہنچا دیا وہ یہ تھا کہ آپ حضرت قاسم العلوم والمعارف کی ”زندہ تصویر“ خیال کیے جاتے تھے۔مسلمانوں کو دوہرا صدمہ یہی ہے کہ ”تصویر قاسمی“ آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

طلبا علم کے لیے جبکہ ملائکہ پر بچھاتے اور زمین وآسمان کے باشندے، دریا میں مچھلیاں

استغفار کرتی ہیں تو بلا شبہ مولانا کی وفات پر زمین و آسمان، جن و انس، حیوانات ونباتات اور عالم کا ہر ذرہ نوحہ گری اور دعائے مغفرت کرے تو بالکل حق بجانب ہے۔

دل چاہتا تھا کہ القاسم کے اسی نمبر میں مولاناؒ کے مرض ووفات اور زندگی کے حالات ذرا تفصیل سے لکھتے مگر ہمارے عزیز مولوی شبیر احمد سلمہٗ نے جو اس صدمہ سے نہایت متاثر ہیں۔ اپنے دلی جذبات کو خاص طرز میں ادا کیا ہے۔ بالفعل اُس مضمون کو بجنسہٖ شائع کرنے پر قناعت کر کے آئندہ حسب موقع حالات درج کریں گے۔"

مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ تحریر کرتے ہیں:

حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے نہایت محبوب شاگرد تھے۔ تبحر علمی میں حجۃ الاسلامؒ کے صحیح جانشین مانے جاتے تھے۔ سیاسی خیالات میں حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق تھے۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ (بحوالہ علمائے حق جلد اول، محبّ الحق)

درِ مقصود کے سابق مدیر سید انیس رضوی مرحوم حضرت محدث امروہیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"راقم الحروف اس زمانہ میں نو عمر تھا لیکن حضرت مولاناؒ کے جنازے کا منظر آج تک نہیں بھولا اور نہ مدت العمر فراموش ہونے کی امید ہے۔ ہر طبقے اور ہر فرقے کے پندرہ بیس ہزار سے زائد نفوس روتے اور دھاڑیں مارتے جنازے کے ہمراہ تھے۔ جس کے ہاتھ اور پیر کفن سے باہر نکلے ہوئے تھے اور لوگ ان سے اپنی آنکھیں ملتے...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنے لوگ جنازے کے ساتھ تھے تقریباً اتنے ہی روضہ حضرت شاہ بدر چشتیؒ پر اس خیال سے پہنچ گئے تھے کہ مولانا وہیں دفن ہوں گے۔ (بحوالہ درِ مقصود ۱۹۴۶ء۔ محبّ الحق)"

دیگر تعزیتی مضمون اور قطعات تاریخ بعد میں نقل کروں گا پہلے آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ کا لکھا ہوا مرثیہ (جس کا ہر لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے) پڑھ لیں:

یہ مرثیہ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ کے "القاسم" میں مدیر رسالہ کے اس نوٹ کے ساتھ درج ہے۔

فریادِ مہجوراں

قطعاتِ تاریخِ وفات حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ

"متعدد نظمیں ہم کو وصول ہوئی ہیں۔ یہ قطعۂ تاریخ حضرت مولانا محمود حسن عمّ فیضہم کی تصنیف ہے۔ آپ نے بعض خدام کی درخواست پر بروز جلسۂ دارالحدیث دارالعلوم دیوبند صبح کو لکھ دیا تھا اور بندہ مدیر (مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندیؒ) نے پڑھ کر جلسہ میں سنایا تھا۔

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے
حضرتِ قاسم نشانی دے گئے تھے اپنی جو

سید العلماء امامِ اہلِ عقل و اہلِ نقل
پاک صورت، پاک سیرت، صاحب خُلقِ نکو

معدن علم و حکم سرِ دفترِ اہلِ کمال
عازمِ خلدِ بریں ہے جس کو چلنا ہے چلو

جب شبیہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم
تم ہی بتلا دو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو

درد یہ پہنچا ہے سب کو اس کا منکر کون ہے
ہاں مگر اک فرق ہے تھوڑا سا گر میرے سنو

لوگ کہتے ہیں چلے علامۂ احمد حسن
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہے ہو نہو

کاملِ و اکمل سبھی موجود ہیں پر اس کو کیا
جو کہ مشتاقِ ادائے قاسم خیرات ہو

اپنی اپنی جائے پر قائم ہیں سب اہلِ کمال
پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو

ہاں جنونِ اتحادِ قاسمی میں بارہا
تم کو ہم کہتے تھے من اور آپ کو کہتے تھے تو

مجمعٔ حسرت قرین درد و غم میں میں بھی تھا
فکر میں تاریخ کے سب نے کیا جب سر فرو

بادلِ پُر یاس آئی کان میں میرے صدا
حک ہوئی تصویرِ قاسم صفحۂ دنیا سے لو

۱۳۳۰ھ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۱۲ء کو جلسۂ بنیاد دارالحدیث دارالعلوم دیوبند منعقد ہوا۔ جس میں اکابرِ ملت جمع تھے۔ اس جلسہ میں حضرت مولانا امروہیؒ کا وعظ ہونا قرار پایا تھا اور اس کا اعلان بھی ہو گیا تھا لیکن قضائے الٰہی سے وہ جلسہ سے بیس (۲۰) روز بیشتر انتقال فرما گئے تھے۔ یہ افتتاحی جلسہ مولانا امروہیؒ کے صدمے اور غم والم کا جلسہ بن گیا تھا۔ صاحبزادہ مولانا امروہیؒ مولانا قاری سید محمد صاحب اس جلسہ میں بلائے گئے تھے۔

اس جلسہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثانی مہتمم دارالعلوم نے ایک تقریر کی جس میں دارالعلوم کے کچھ حالات بیان کرنے کے بعد حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کی یادگار حضرت امروہیؒ کی رحلت پر اظہارِ تاسف کیا اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحبؒ کے صدمے سے مولانا احمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کی مفارقت کا صدمہ دارالعلوم اور اس کے خدام کو بعض وجوہ سے زیادہ محسوس ہوا۔ اسی تقریر میں فرمایا:

''صاحبو! آپ مدرسہ کا اطلاعی خط پڑھ چکے ہیں۔ اس میں اولاً حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کا وعظ ہونا تجویز ہوا تھا۔ مگر یہ سانحہ کس قدر رنج دہ اور دلوں کو پاش پاش کر دینے والا ہے کہ اس وقت بجائے اس کے کہ مجمع میں مولانا مرحوم وعظ

فرماتے میں ان کی وفات پر اظہارِ افسوس کرنے کے لیے آپ حضرات کے سامنے کھڑا ہوں۔ آہ! اس قحط الرجال کے زمانہ میں ہم کو حضرت قاسم العلومؒ کے سچے جانشین کی مفارقت پر جس قدر صدمہ ہو بجا ہے۔ مولانا ایک ایسے یکتا اور با خدا آدمی تھے کہ ان کی نظیر ہم کو ڈھونڈے نہیں ملتی اور جو سکون ہم غم زدوں کو مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحب علیہم الرحمۃ کے بعد ہو گیا تھا وہ آج نہیں۔"

تقریر کے آخر میں فرمایا:

"صاحبو! آج مجھے کیا ہماری جماعت کو مولانا امروہیؒ کی مفارقت پر زیادہ صدمہ ہے کہ مقدس حضرات نے جو مجموعی قوت، دین کی حفاظت، علومِ اسلام کی اشاعت، ہدایتِ خلق اور ارشاد عباد کے لیے چھوڑی تھی آج اس کا ایک رکن رکین اُٹھ گیا۔"

اس کے بعد جناب حافظ محمد عبدالرحمٰن صاحب مرادآبادی جو حضرت مولانا امروہیؒ کے غم میں مبتلا اور مولانا حبیب الرحمٰن کی تقریر سے متاثر ہو کر دیر سے ضبط کیے بیٹھے تھے۔ نہ رہ سکے، بے اختیار کھڑے ہوئے اور مولانا مرحوم کے فرزند دلپند کو بلا کر اپنے گلے سے لگا لیا، اور مولاناؒ کے حالات، کیفیتِ مرض وفات، رجوع الی اللہ۔ مرض وفات میں مبتلا ہو کر چار پانچ گھنٹے حدیث کا سبق پڑھانا اور طلبہ سے فرمانا کہ یہ آخری سبق ہے، پڑھ لو۔ مرض میں نمازوں کی پابندی، ذکر، فکر، نماز عشاء پڑھ کر بحالتِ ذکر طائر روح کا قفس عنصری سے پرواز کر جانا، اہلِ امروہہ کی بے تابی، رنج و غم، نماز جنازہ میں خارج از قیاس مجمع کا ہونا، کچھ ایسے پر اثر اور دل گداز لہجہ میں بیان فرمایا کہ خود بھی روئے اور سب کو رلایا۔

(روئیداد جلسہ بنیاد دارالحدیث القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جاں گداز سانحہ کے عنوان سے ایک جامع اور مؤثر مضمون لکھا جو "القاسم" ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک تمہید کے بعد جس میں ملت اسلامیہ پر جو جو مصائب کے اوقات آئے ہیں اور اکابر کے اُٹھ جانے پر جو فتنوں کا ظہور ہوا ہے۔ ان کا ذکر کر کے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملت بیضاء کے نازک اوقات کا بیان کرنے کے بعد مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ نے (جن کی پاک زندگی وراثت انبیاء کا کامل مظہر تھی) حفاظت دین اور احیاءِ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے ایک مدرسہ دیو بند کی سی گمنام بستی میں قائم کیا۔ اس کو چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت چونکہ ہماری سر پرستی کے لیے حضرت مولانا رشید احمد، حضرت مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا رفیع الدین قدس اللہ اسرارہم موجود تھے۔ اس لیے آپ کی وفات حسرت آیات سے سب کو حزن و ملال تو بے حد ہوا لیکن معاملات کی طرف سے گھبراہٹ اور تشویش پیدا نہیں ہوئی۔ کچھ دنوں بعد مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا رفیع الدین صاحب نے انتقال فرمایا تو سب کی امیدوں کا مرکز اور توجہات کا قبلہ تنہا مولانا گنگوہیؒ کی ذات بابرکات ٹھہر گئی۔ اس اثناء میں بیشک بہت کچھ فتنے اور حوادث بھی پیش آتے رہے مگر اس کوہ وقار و عظمت کی ہستی اُن سب کے لیے سپر بنتی رہی اور ہم غریبوں کو یہ اطمینان رہا کہ جب تک حضرت ہمارے اندر موجود ہیں کسی بلا یا فتنے کا مقابلہ دشوار نہیں ہے۔ کچھ عرصے کے بعد آخر وہ گھڑی بھی آ پہنچی جس میں ہمارے ہر ایک طرح کے اطمینان و سکون کا خون ہو گیا، اور خاتم الاکابر حضرت گنگوہیؒ کی وفات نے شہادتِ فاروقی کا نقشہ پیش کر دیا اور بجائے کسی شخصِ واحد کے انھیں حضرات مرحومین کے متوسلین کی ایک جماعت نے مل کر اس دین کے کام کو سنبھالا لیکن آنسوؤں کے بجائے خون حسرت بہانے کا موقع ہے۔ اس جماعت کے ارکان میں سے ایک بہت بڑا رکن اعظم منہدم ہو گیا اور حضرت قبلہ مولانا احمد حسن امروہی قدس سرہ کی ناگہانی موت نے اس جماعت کی قوت کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچایا اور نہ صرف یہ کہ ہماری جماعت کی طاقت کو ایک بھاری صدمہ پہنچا بلکہ آج ایک ایسا جامع معقول و منقول عالم مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ جس کی نظیر ہمارا زمانہ بمشکل پیدا کر سکتا ہے۔

آج ہندوستان کا بڑا مقتدا دنیا سے اُٹھ گیا، آج ''تصویر قاسمی'' مٹ گئی اور آج قاسمی معارف کے ''اعلیٰ شارح'' نے اپنی مسند خالی چھوڑ دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. فللہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ بمقدار''

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے تاثرات:

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ نے ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں دنیا سے رخصت ہونے والی دو عظیم شخصیتوں کا ذکر اپنے ایک مضمون میں فرمایا ہے۔ اس کا کچھ اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں۔

''ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کا مہینہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک ایسا مہینہ تھا جس میں ان کی نظروں سے علم نبوت کے دو روشن چراغ اوجھل ہو گئے بلکہ دو آفتاب غروب ہو گئے۔ اول حضرت مولانا و مقتدانا الجامع بین المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول سیدنا الفقیہ المحدث المفسر المتکلم المولوی السید احمد حسن الامروہی افرغ اللہ علیہ شآبیب رضوانہ۔ دوم جناب وارث الانبیاء والمرسلین ماوی الغرباء والمساکین مولانا الحافظ الحاج القاری المحدث المفسر محمد اسماعیل راندیری اسکنہ اللہ بحبوبہ جنانہ۔

یہ دونوں مقدس بزرگ ان نفوس قدسیہ کے نمونے تھے جن کے نام کے ساتھ اسلام کا شیرازہ باندھا گیا تھا جن کے دیدار سے خدا یاد آتا تھا۔ جن کی مجلسیں ذکر اللہ سے معمور جن کے قلوب شرابِ محبت سے مخمور، جن کے متوسلین حب دین سے معمور تھے۔ اس گئے گذرے زمانہ میں جبکہ علماء ربانیین کا قحط ہے۔ یہ صحابہ کرام کے سچے جانشین اور انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث تھے۔ ان کے انتقال سے قصر دین کی بنیادیں نہ صرف امروہہ و گجرات میں متزلزل ہو گئیں بلکہ تمام ہندوستان کی علمی و عملی دنیا میں ایک غیر معمولی زلزلہ محسوس ہونے لگا اور کیوں نہ ہو کہ ایسے علماء ربانیین دین کے عالیشان ایوان کے اساطین ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان دونوں مقدس حضرات کی مختصر سیرت ناظرین ''القاسم'' کی خدمت میں پیش کر کے ان کے استحقاق کی

جانب توجہ دلاؤں جن کے وہ عام مسلمین کی جانب سے مستحق ہیں۔ یعنی یہ کہ تمام
اہلِ اسلام ان حضرات کے لیے صدق دل سے درگاہِ الٰہی میں دعائے مغفرت و رفع
درجات کریں۔ اور ان کے حق سے سبکدوش ہوں۔ مگر چونکہ حضرت مولانا امروہی
قدس سرہ کی سیرت پر قلم اٹھانا میری بساط سے زیادہ تھا اور یہ کہ ہمارے مکرم دوست
مولوی شبیر احمد صاحب مولانا کی سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے۔ اس لیے میں
نے ان کو مستحق اول سمجھ کر صرف مولانا راندیریؒ کی مختصر سیرت پر اکتفا کیا۔"
(چنانچہ اس کے آگے ان کی سیرت جامع و مختصر انداز میں ارقام فرمائی ہے)
(القاسم جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ)

موتمر الانصار کے اجلاس میرٹھ میں اظہار غم و دعائے مغفرت:

موتمر الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاسِ میرٹھ میں شیخ رشید احمد صاحب ناظم مجلس استقبالیہ نے حافظ فصیح الدین صدر مجلس استقبالیہ کی طرف سے ایک تقریر پڑھی جس میں حضرت مولانا امروہیؒ کی وفات حسرت آیات پر اظہار غم کیا گیا تھا۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ناظم جمعیۃ الانصار نے موتمر الانصار کے اس اجلاس میرٹھ میں حضرت امروہیؒ کے لیے تمام حاضرین سے دعائے مغفرت کرائی اور سب نے بکمال اخلاص دعا کی۔
(ماخوذ القاسم جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ)

مراثی قطعاتِ تاریخ وفات: مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوریؒ تلمیذ قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے فارسی میں اپنے استاذ بھائی کا حسب ذیل مرثیہ لکھا ہے:

صد دریغا حسر تا دردا کہ کوہِ غم فتاد
بر دلِ اسلامیاں ناگہ دریں دور فتن
از سر عالم برفتہ سایۂ آں عالمے
کز فضائل بود او محسود اقران و زمن

متصف با جملہ اوصاف حزی اہل دیں
علم وفضل و زہد وتقویٰ وخلق و عادات حسن

سید عالی نسب والا ہمم اہل کرم
خلقت و خلقش مماثل با حسنین ہم حسن

زبدۂ اصحاف فیض قاسم اسرار دیں
آنکہ بودہ آیتے زآیات رب ذوالمنن

جامع شرع و طریقت و کاشف اسرار حق
در علوم عقلی و نقلی امام اہل فن

بر سر دنیائے دوں خاک مذلّت ریختہ
باخلوص دل بحق مشغول در سر و علن

بعلائقہائے دنیا بے تعلق ماندہ او
بود گویا ذات آزادش مسافر در وطن

از ربیع الاول آخر روز، روزِ آخرش
بود کو پربست نا گہ رخت ازیں دار محن

شد جگر ہائے جہانے پاش پاش از صدمتش
اشکہا در چشمہا بنمود دریا موج زن

سن ترحیلش دریں حالت دل بیتاب یافت
تابماند یاد سال نقل آں فخر زمن

گفت ہاتف بالیقیں از روئے بخشایش بخواں
جنت علیا قرار مولوی احمد حسن (ﷺ)

۱۳۲۸ + ۰۲ = ۱۳۳۰ ہجری

قطعۂ تاریخ از تصنیف مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ:

بخیا گر چاکِ گریباں کو نہ سی کیا فائدہ
دشتِ وحشت پھر اڑا دیویگا اس کی دھجیاں

چارۂ درد فراق یار جز گریہ نہیں
چارہ سازی رہنے دے اے چارہ ساز مہرباں

آبروے عشق رکھ لینا خدا کے واسطے
ہو نہ گریہ میں کمی للہ چشمِ خوں فشاں

اپنے آپے میں نہیں ہوں آج میں معذور ہوں
رونے سے مت روک مجھ کو ناصح نا مہرباں

میں بھلا کیونکر نہ روؤں ناصحا تو بھی تو دیکھ
ہیں حبیبؔ و احمدؔ و محمودؔ سب گریہ کناں

ہائے چھائی ہے اداسی کیا در و دیوار پر
ہوش میں آ دیکھ عالم ہو گیا ہُو کا مکاں

کچھ خبر بھی ہے تجھے روتے ہیں ہم سب آج کیوں
رنج و غم کا آج ہم پر گر پڑا کوہِ گراں

حضرت قاسم کی کھو بیٹھے.نشانی آج ہم
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اور ملتا نہیں اس کا نشاں

چشم مشتاق جمال قاسمی حیران ہے
ہو گئی تصویر قاسم آج نظروں سے نہاں

مولوی احمد حسنؔ صاحب نے پائی ہے وفات
آج امروہے سے آئی ہے خبر یہ ناگہاں

صدمۂ ہجر شبیہ قاسم علم و ہدیٰ
ہے مصیبت ہی مصیبت یا الٰہی الاماں
ماہتاب مستنیر آفتاب قاسمی
آج نظروں سے ہماری ہو گیا ہے وہ نہاں

تھا بیاں میں آپ کے طرز و ادائے قاسمی
یاد آتا ہے ہمیں رہ رہ کے وہ طرز بیاں

دنگ رہ جاتے تھے ان کی بزم میں اہل کمال
تھی روانی آپ کی تقریر کی بحر رواں

عالم تصویر ہوتی تھی دم تقریر بزم
ہے کہاں اب آپ سا جادو بیاں شیریں زباں

جو ہر فرد آپ حسن ظاہر و باطن کے تھے
آپ کو اللہ نے کی تھیں عطا سب خوبیاں

تیغ حق سے کاٹ دیتے تھے دلائل خصم کے
آپ دکھلاتے تھے جس دم جوہر تیغ زباں

صبر کر اے عاشق ناز و ادائے قاسمی
مصرع تاریخ پڑھ اب اے سراؔج نوحہ خواں

آ گیا تاریخ رحلت کا جو کچھ دل کو خیال
ختم کی ناچار میں نے تعزیت کی داستاں

یوں سروش غیب نے مجھ سے کہا از روئے لطف
اُدخل الخلد، آپ کا ہے سال رحلت بیگماں

۱۳۰۰ + ۳۰ = ۱۳۳۰ھ

منشی عبدالمجید صاحب دماغ جونپوری نے بھی قطعہ تاریخ وفات لکھا، اس کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

آج امروہے میں ہے کیوں اندھیر
اُٹھ گیا کون رشکِ ماہ مبین
مجلس علم کیوں ہوئی سونی
کیا ہوا اس کا آج صدر نشیں

چل بسا ہائے کون جانِ جہاں
کس کے غم میں زمانہ ہے غمگین
سید احمد حسن نبیہ و فقیہ
یادگار اکابر پیشیں!!

حسن ظاہر میں حسن باطن میں
نہیں دیکھا ہے کوئی ایسا حسین!
فکر تاریخ کی اگر ہے دماغ
لکھ دے "تو گل ہوا چراغ دیں"

۳۰ ۱۳ ھ

حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودیؒ جو بیس سال تک حضرت محدث امروہی قدس سرہ سے فیضیاب ہوتے رہے اور جن کو حضرتؒ سے والہانہ عشق تھا۔ اپنے شفیق اور مربی استاد کی جدائی پر ان رقت انگیز الفاظ میں سوزش قلب کا اظہار کرتے ہیں:

ہے فخر علماء زمن، ہے سید احمد حسن
ہے حضرتِ استادمن رفتی چو جانِ من زتن
ہے ہے کجا رفت آں زماں درخدمتت بودم دواں
تابست سالہ در جہاں بودیم، ہمچو جان و تن

ہے ہے چہ عزم ائیختی بار فتگاں آمیختی
جائے تو شد خلد بریں تا گفت حافظ ایں سخن
خاکے بفرقم ریختی ہے ہے چہ کر دی جان من
در بزم قاسم علم دیں "ہاں گشت شمع انجمن"
۳۰ ھ ۱۳

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کا عربی مرثیہ جو علمی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور جس میں زخم خوردہ قلوب کی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ترجمانی کی گئی ہے۔ اور اس کا بہترین اردو منظوم ترجمہ اور چند اشعار مرثیہ کی تضمین معہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

شَمْلُ الْهُدٰى وَالدِّيْنِ عَمَّ شَتَاتُهٗ
وَالدَّهْرُ سَاءَ وَاُقْلِعَتْ حَسَنَاتُهٗ

بِاللهِ اَيْنَ الْعَالِمُ الْحِبْرُ الَّذِى
تَقْوَى الْاِلٰهِ صِفَاتُهٗ وَسِمَاتُهٗ

اَيْنَ الَّذِى اَفْنَى الشَّبِيْبَةَ كَافِلاً
نَشْرَ الْعُلُوْمِ مَسَائُهٗ وَغَدَاتُهٗ

اَيْنَ الَّذِى مُذْ لَمْ يَزَلْ مُتَوَاضِعًا
لِلّٰهِ خَالِصَةً صَفَتْ نِيَّاتُهٗ

مَسْعُوْدَةٌ غَدْوَاتُهٗ مَحْمُوْدَةٌ
رَوْحَاتُهٗ مَيْمُوْنَةٌ ضَحْوَاتُهٗ

عَلَمٌ عَنِ الْاِسْلَامِ كَانَ مُحَامِيًا
اَبَدًا اِذَا مَا اَسْلَمَتْهُ حُمَاتُهٗ

جَبَلٌ تَضَعْضَعَ مِنْ تَضَعْضُعِ رُكْنِهٖ
اَرْكَانُنَا وَتَهَدُّ نَا هَدَّاتُهٗ

يَا وَحْشَةَ الْإِسْلَامِ يَوْمَ تَمَكَّنَتْ
فِىْ كُلِّ قَلْبِ مُؤْمِنٍ رَوْعَاتُهٗ

لَا تَحْسَبُوْهُ مَاتَ شَخْصٌ وَاحِدٌ
فَمَمَاتُ كُلِّ الْعٰلَمِيْنَ مَمَاتُهٗ

مَا كَانَ اَسْرَعَ وَقْتَهٗ لَمَّا انْقَضٰى
فَكَاَنَّمَا سَنَوَاتُهٗ سَاعَاتُهٗ

كَانُوا جُلُوْسًا اَمْسِ حَوْلَ وِسَادِهٖ
وَالْيَوْمَ هُمْ حَوْلَ السَّرِيْرِ مُشَاتُهٗ

منظوم اردو ترجمہ، از مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ

انتقال ہادی اسلام سے
انتظام دین پرا گندہ ہوا
نیکیوں کی جڑ ہی گویا کھد گئی
دہر بے رونق نظر آنے لگا

ہے کہاں وہ عالم یکتائے دہر
جس کا تقویٰ تھا لباس بے ریا
ہے کہاں وہ عاشق شیدائے علم
کافل نشر علوم مصطفےٰ

رات دن تعلیم علم دین میں
کر دیا اپنی جوانی کو فنا
ہے کہاں وہ صاف نیت پاک دل
تھی صفت جس کی تواضع دائما

صبح تھی مسعود اور محمود شام
چاشت تھی میمون اُس کی واہ وا
جب نہ لے کوئی خبر اسلام کی
جب نہ ہو کوئی حمایت کو کھڑا

ایسے وقتوں میں تھا وہ اے دوستو
حامی دین محمد مصطفےٰ
تھا علوم دین کا کوہِ رفیع
فائق الاقران و عالی مرتبہ

ہل گئی بنیاد اور سارے ستون
زلزلہ اُس کوہ میں جب آ گیا
اس کے گرنے سے قیامت آ گئی
قصر جمعیت ہی سارا گر گیا

جب دلوں میں مومنوں کے جاگزیں
درد و غم فرقت کا اس کے ہو گیا
کیا کہوں اُس روز کی وحشت کا حال
کشور دیں میں تہلکا مچ گیا

موت عالم کی ہے گویا آ گئی
یہ نہ سمجھو تم کہ وہ تنہا مرا
لے گئے تشریف جب دنیا سے وہ
سوئے فردوسِ بریں پُر فضا
ہائے کیسی جلد گذری زندگی
ہائے اب پچتا کہ یوں کہنا پڑا
ہائے گذرے سال گھڑیوں کی طرح
ہائے پل کی پل میں یہ کیا ہو گیا
کل جو پروانے تھے ان کی بزم کے
آج گردِ نعش ہے ان کا پرا

تضمین مرثیہ عربی: ازمولانا عبدالرحمٰن صاحب سیوہارویؒ

مـالـی اری الاسـلام قَـلّ هـداتـهٗ
وتـفـرقـت انـصـارهٗ و دعـاتـهٗ
طـود التـقـی والعـلـم زال ثبـاتـهٗ
شـمـلُ الهُـدیٰ وَالـدِّیـنِ عَـمَّ شَتَـاتُـهٗ
وَالـدَّهْـرُ سَـاءَ وَاُقْـلِعَـتْ حَسَـنَـاتُـهٗ

مجھے کیا ہوا ہے کہ اسلام کے ہادی کم نظر آتے ہیں اور اس کے انصار اور داعی منتشر ہو گئے۔
تقویٰ اور علم کا پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا۔
ہدایت اور دین کا نظام پراگندہ ہو گیا اور اس کی بھلائیاں تباہ و برباد ہو گئیں۔

قدمات مولانا الجليل الاحوذی
احمد حسن تذکاره العرف الشذی
بلبان علمِ قاسمی قد غذی
بِاللهِ اَيْنَ الْعَالِمُ الْحِبرُ الَّذِی
تَقْوىٰ الْاِلٰـهِ صِفَاتُهٗ وَ سِمَاتُهٗ

ہمارے آقائے بزرگ کامل الفن سید احمد حسنؒ کا انتقال ہوگیا جن کا ذکر تیز خوشبو کی مانند ہے۔ مولانا محمد قاسمؒ کے علم کے دودھ سے انھیں غذا دی گئی تھی۔ خدا کی قسم وہ عالم متبحر کہاں ہے جس کی علامت اور پہچان خدا کا خوف اور تقویٰ تھا۔

قد كان بحراً فی المعارف طامياً
غيثاً مغيثاً للمدارس هامياً
ليث المعارک للحقيقة حامياً
عَلَمٌ عَنَ الْاِسْلَامِ كَانَ مُحَامِيًا
اَبَدًا اِذَا مَا اَسْلَمَتْهُ حُمَاتُهٗ

وہ علوم و معارف کا بحر ذخار تھا، مدارس اسلامیہ کے لیے بے پایاں بارانِ رحمت کارزار کا شیر نیستاں اور سچائی کا مددگار، وہ اسلام کا پرچم تھا اور ہمیشہ اس کا حامی، جب اس کے حامیوں نے بھی حمایت چھوڑ دی ہو۔

فمضىٰ و غادرَ نا على جمر الغضا
بجوارِ ارحم راحمين قد ارتضےٰ
لم ندرِ كم عامٍ مضىٰ ومتى مضى
ما كَانَ اَسْرَعَ وَقْتُهٗ لَمَّا انْقَضىٰ
فكَاَنَّمَا سنواتُه ساعاتُهٗ

وہ گذر گئے ہمیں ببول کی چنگاریوں پر تڑپتا چھوڑ گئے۔ وہ قرب ارحم الراحمین پر راضی ہو گئے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کتنے سال گذر گئے۔ اُن کی زندگی کا زمانہ کس قدر جلد گذر گیا گویا کہ اس کے سال بھی ساعتوں کی طرح تھے۔

شدّوا البلاءَ الی جناب بلادہٖ
ساقت سعاد تھم الی ارشادہ
لزموہ حتی استکملو ابرشادہ
کَانُوا جُلُوْسًا اَمْسِ حَوْلَ وِسَادِہٖ
وَالْیَومَ ھُمْ حَوْلَ السَّرِیرِ مُشَاتُہٗ

لوگ مصائب اٹھا کر ان کے شہر امروہہ پہنچے۔ اُن کی سعادت اُن کو مولانا کے ارشاد کی طرف کھینچ لے گئی۔ ان کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ اُن کی ہدایت سے کامل ہو گئے۔ کل وہ ان کے گردا گرد بیٹھا کرتے تھے۔ آج ان کے جنازے کے ساتھ چل رہے ہیں۔

حافظ مظہر الدین فریدی امروہیؒ نے قطعۂ تاریخ کہا ہے۔

بروفات حسرت آیات مولانا مولوی احمد حسن امروہیؒ

رفت وقارِ علم وفن مولوی احمد حسن
عالم نیک سیرتے عارف پاک دامنے
لیلیٰ فضل کردگار بر سر اوشدہ نثار
بردرِ وے چوں وارسید عاشق چاک دامنے
مظہر سوگوار چوں بود بفکر سرنگوں
داد ندا سروش غیب ''بخشش پاک دامنے''

۱۳ ھ ۳۰

اولاد و احفاد: حضرت محدث امروہیؒ نے مختلف اوقات میں تین شادیاں کی تھیں۔ جن سے ایک

صاحبزادے سید محمد عرف بنے میاں اور تین صاحبزادیاں بتول، سیدہ اور ہاجرہ تولد ہوئیں۔ ہاجرہ کے متعلق حضرت محدث امروہیؒ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ کو مکتوب ۱۳۵ میں ارقام کرتے ہیں:

''آج بارہواں دن ہے کہ خدا تعالیٰ نے نور چشم سید محمد سلمہٗ کو تیسری ہمشیرہ عنایت فرمائی۔ اس کا نام ہاجرہ خاتون رکھا گیا لیکن اس کی والدہ روزِ ولادت سے اکثر علیل رہتی ہے۔''

مولانا سید محمدؒ اپنی عرفیت سے ہی امروہہ میں متعارف تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو حضرت محدث امروہیؒ نے ان کی بسم اللہ شاہ قیام الدین جعفریؒ سے پڑھوائی۔ شاہ قیام الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ یہ بچہ حافظ قرآن ہوگا۔ چنانچہ ان کی دعا سے آپ نے اپنے والد کی حیات ہی میں قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ سے قرآن کریم حفظ مکمل کرلیا۔ اس کی خوشی میں حضرت محدث امروہیؒ نے ایک عمدہ دعوت کی۔ حفظ مکمل ہونے کے بعد قاری صاحبؒ ہی سے تجوید اور قرأت کی مشق کی۔ بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے۔ بعدہٗ تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مولانا سید رضا حسن امروہیؒ اور مفسر قرآن مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ سے کر کے سند فراغت حاصل کی۔ آپ اپنے والد کے نقش قدم پر رہے اور ان کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ آخیر عمر تک مدرسہ جامع مسجد سے تعلق رہا۔ امروہہ میں ہی محلہ چلہ میں ایک دینی ادارہ دارالعلوم کے نام سے قائم کیا جو اب تک علوم اسلامیہ وعربیہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ محلہ نل کی مسجد میں مدرسہ نورالعلوم بھی قائم کیا۔ آپ کی شادی فہمیدہ خاتون سے ہوئی جو نہایت صابرہ، عابدہ، زاہدہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھیں۔ آپ کی زوجہ بھی علوم اسلامیہ اور تبلیغ کا ذوق رکھتی تھیں۔ وہ مبلغہ کہلاتیں، عورتوں کی اصلاح کے لیے وعظ بھی کرتیں۔ امروہہ میں بڑی ملانی کے نام سے مشہور تھیں۔ فہمیدہ خاتون کئی کتابوں کی مصنفہ بھی تھیں۔ عورتوں کی اصلاح کے لیے ''جنت کی دلہن'' اور ''ہمدرد دلہن'' نامی کتاب تصنیف کی۔ مولانا بنے میاں صاحبؒ کا ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ موافق نومبر ۱۹۷۸ء میں وصال ہوا۔ حضرت مولانا سید محمد عرف بنے میاںؒ کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ انقلاب زمانہ کا جہاں اکثر علمی خاندانوں پر اثر پڑا ہے وہاں یہ خاندان بھی مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ حضرت محدث امروہیؒ کے کئی نبیرہ

گان ہیں۔لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے جدامجد کے میراث علمی کا وارث نہیں۔**لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا.** خدا کرے کہ اس گھرانے میں پھر کوئی شہباز علم دین پیدا ہو۔

اضافہ: اب تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ حضرت محدث امروہیؒ کے نبیرگان کا تعارف کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سید احمد رضوی: انتہائی ذہین و ذکی اور ہونہار تھے۔ علوم عصریہ امام المدارس امروہہ میں حاصل کی۔امام المدارس سے ہی بریلی انٹر کالج کے ایک تقریری مقابلہ میں سات تمغے حاصل کئے۔ یہاں کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بی.ایس.سی کے لیے گئے۔ وہاں کسی کی نظر بد لگ گئی دماغی توازن بگڑ گیا اور آخر ۱۴۰۳ھ موافق ۱۹۸۳ء میں وفات ہوگئی۔

سید احمد مولوی بنے میاں کے نور چشم پہنچے اس دنیا سے رخصت ہو کے اس دنیا میں جب
کی رقم شہباز نے رو کر یہ تاریخ رحیل آہ آنکھوں سے چھپے ہیں سید رضوی بھی اب
۱۴۰۳ھ

(۲) سید آلِ احمد رضوی: تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے وہ حیدرآباد سندھ میں مقیم تھے۔وہیں رضویہ ہسپتال قائم کیا۔ جو الحمدللہ کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔فروری ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد سندھ میں انتقال ہوا۔

(۳) سید سردار احمد رضوی: پہلے حیدرآباد میں تھے پھر بنگلور منتقل ہو گئے اور وہیں سرکاری ملازمت کے دوران دسمبر ۱۹۷۶ء میں انتقال فرما گئے۔

(۴) سید مسعود احمد رضوی: آپ بھی تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے۔کراچی گیس کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ مارچ ۱۹۹۴ء میں کراچی میں وفات ہوئی۔

(۵) حاجی پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی: کراچی یونیورسٹی میں تعلیم کے شعبہ میں تھے۔اسی سے رٹائر ہوئے ہیں اور اب بھی تعلیم کے شعبہ سے ہی متعلق ہیں۔آپ نے کراچی یونیورسٹی سے ”ڈی.لٹ“ کی ڈگری بھی پائی۔آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ان کی تصانیف میں محاضرات القرآن، اردو غزل،معروض تنقید بہت مشہور ہوئیں۔

(۶) سید زبیر احمد رضوی: آپ مشہور شاعر ہیں۔کئی عالمی مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں۔آل انڈیا ریڈیو اردو کے ڈائریکٹر رہے۔نہایت ذہین آدمی ہیں۔انھوں نے اپنی سوانح بھی لکھی ہے۔زبیر

رضوی کے آٹھ شعری مجموعے ہیں۔ ان کی کلیات ''پورے قد کا آئینہ'' شائع ہو چکی۔ اردو کا ایک بڑا رسالہ ''ذہن جدید'' کے نام سے سولہ برس سے نکال رہے ہیں۔ وہ اپنے مخصوص متاثر کن ترنم کے ذریعہ برسوں مشاعروں پر چھائے رہے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں سید کامران احمد رضوی ایڈوکیٹ اور سید سلمان احمد رضوی۔ ان کی صاحبزادی بائیو سائنٹسٹ ہیں اور امریکہ میں کام کر رہی ہیں۔

(۷) سید آفتاب احمد رضوی: آپ ڈگری کالج چاندپور ضلع بجنور میں تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائر ہو چکے ہیں۔ تعلیمی شعبہ سے گہرا تعلق ہے اور ادبی ذوق کے بھی مالک ہیں۔

(۸) سید سلطان احمد رضوی: آپ بھی پاکستان منتقل ہو گئے۔ کراچی کی پرائیویٹ فرم میں ملازم ہیں۔ اردو ادب اور تعلیم و تدریس سے لگاؤ ہے۔ تصوف اور مذہب کی طرف طبیعت مائل رہتی ہے۔ اپنے والد اور دادا سے بڑا قلبی تعلق ہے۔

تصانیف: حضرت محدث امروہیؒ کو درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، مناظرہ اور باطل فرقوں سے مقابلہ کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا وقت نہیں ملا۔ اگر تصنیف کا وقت ملتا تو ہندوستان کے بڑے مصنفوں میں شمار ہوتا۔ اس لیے کہ آپ کی تحریر و تقریر میں پوری طرح علوم قاسمی نمایاں تھی۔ آپ نے کچھ مضامین بصورت خط لکھے ہیں۔ ان کا مجموعہ ''افاداتِ احمدیہ'' کے نام سے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ شاہ جہانپوری نے مرتب کیا ہے جو کہ دو جلدوں میں ہے۔ ''افاداتِ احمدیہ'' کی پہلی جلد جس میں نو مضامین ہیں آپ کی وفات کے تین سال بعد مولانا سید محمد بنے میاںؒ نے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی نگرانی میں شائع کرادی ہے۔ ''افاداتِ احمدیہ'' ہر دو جلد قلمی پھلاودہ کے ذخیرہ میں ہے۔ خدا کرے اب وہاں موجود ہو۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی علمی اور ادبی یادگار ہیں۔ حضرت محدث امروہیؒ کی علمی صلاحیت کا آپ کے ہم عصروں کو بھی اعتراف تھا۔ ''افاداتِ احمدیہ'' حصہ اول مطبوعہ کے نو مضامین کا تعارف دینا مناسب ہے:

(۱) دعوت الاسلام (یہ مناظرہ نگینہ کی تقریر ہے) اس تقریر کو آپ اسی مجموعہ میں ملاحظہ کر چکے ہوں گے۔

(۲) العجالۃ فی اثبات التوحید والرسالۃ (اثبات توحید عقلی دلائل سے)

(۳) ہدیۂ احمدیہ فی سنیۃ الخطبہ بالعربیہ (خطبۂ جمعہ کا عربی میں جواز)

(۴) الدلیل الاباہر علی صحۃ القولین فی شق القمر (شق القمر کے بارے میں حضرت امام رازیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اقوال میں تطبیق (یہ حکیم محمد بنیاد علی کے نام ایک خط ہے جو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا ہے)

(۵) التجیر فی اثبات التقدیر (تقدیر کا مسئلہ)

(۶) ابطال التناسخ (تناسخ یعنی آواگون کا ابطال)

(۷) القول الاعلیٰ فی رویۃ اللہ تعالیٰ (دیدار خداوندی کے موضوع پر)

(۸) القول المختصر فی ابطال جسمیۃ الرب الاکبر (خدا کسی مادی جسم میں ظاہر نہیں ہوسکتا)

(۹) تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری (مشرکین کی عاقبت کے موضوع پر)

آخری خط فارسی میں ہے جو مولوی سراج الدین کے خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

افاداتِ احمدیہ حصہ دوم: افاداتِ احمدیہ حصہ دوم کی تالیف ۱۲۹۰ھ موافق ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ اسے مولانا محمد یحییٰ شاہ جہانپوریؒ نے حضرت محدث امروہیؒ کی حیات ہی میں ترتیب دیا تھا۔ اس کی کتابت ۶ ر جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ بروز یک شنبہ امجد علی کے قلم سے تمام ہوئی۔ مولانا سید عبدالغنی پھلاودیؒ نے تاریخ تصنیف اس طرح لکھی ہے:

سزد اے حافظِ دل خستہ بہر سال تاریخش
مکاتیب محمد را اشارات و شفا گفتن

۱۲ ھ ۹۰

کہ بد سرمایۂ تحقیق شاں اقوال زید و عمرو
زتقویم کہن بس خانہائے این و آں رُفتن
زعلم من لدن مضمون شنفتن گر ہوس داری
بہ علم احمدی بنگر زبس تازہ گہر سفتن

۱۲ ھ ۹۰

اوروں کی تحقیق کا سرمایہ زید و عمرو کے اقوال ہیں

پرانی جنتری سے صرف اس کے اور اس کے گھروں کو بہارنا (جھاڑو دینا)
علم لدنی کے مضامین سننے کی اگر تو خواہش رکھتا ہے
تو علم احمدی کو دیکھ کے وہ تازہ موتیوں سے پروئے گئے ہیں۔

کہ اینجا علم حقانی بفضل و لطف یزدانی
زفرطِ آرش و معنی فزوں از حیطۂ گفتن

اس نسخہ کی آغاز کی تاریخ مولانا پھلاودیؒ نے یوں لکھی ہے:

کتابے طرفہ تر دیدم زجائے خویش بر جستم
افاداتش ہمی خوانند از ہاتف شنیدستم
بدل تاریخ رقمش ریختند از عالمِ بالا
بہر دو صفحۂ قرطاس حافظ نقش بر بستم

+۱٦۰ ۱۳۱۴ ھ

یہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ پل جھپک کر دیکھتے ہی میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا
لوگ اس کی افادات پڑھتے ہیں غیب سے میرے دل میں یہ بات آئی
عالم بالا والے اس کی تاریخ کتابت القا کرتے ہیں
کاغذ کے دونوں صفحوں پر حافظ میں لکھتا ہوں

افادات احمدیہ قلمی کے دیباچہ میں مولانا محمد یحیٰ شاہ جہانپوریؒ نے حضرت محدثؒ کی شان میں لکھے ہوئے اپنے چند اشعار بھی درج کئے ہیں۔ یہ الفاظ و معنیٰ کے اعتبار سے ایسے دلکش ہیں کہ ان کا انتخاب مع ترجمہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ختم شد سرّ حقیقت بر دلِ دانائے اُو
مرجعِ قدوسیاں شد مسکن و ماوائے او

نائب ختمِ نبوت مصدرِ علم و عمل
مطلعِ انوارِ وحدت دیدۂ بینائے او

ذو کمال و ذو فنون و چشمۂ فضل و کرم
می شود سیراب ہر کس از لب دریائے او

یک زمانہ از کمالش دستِ حسرت می گزد
کیست در اقصائے علم ہمسر و ہمتائے او

نقل را از وے فروغے، عقل را رونق ازو
نکتہ ہائے جانفزا پیدا از یک ایمائے او

ذاتِ پاکش روز و شب مشغولِ درسِ علمِ دین
آفریں صد آفریں بر ہمت والائے او

سحر گویم کہ مینا قصہ تقریر را
میکند سر شارو بیخود نشۂ صہبائے او

سرگروہِ اولیاء نور مجسم سر بسر
صد ہزاراں جاں فدا بر طلعت زیبائے اُو

گلشن مقصودِ عالم، ثمرۂ نخلِ امید
سروِبستانِ شریعت قامتِ زیبائے او

عالمے بینم کہ باصد آرزو ہائے دلی
طوطیائے چشم سازد خاکِ زیر پائے اُو

من کہ باشم لب کشا در مدحتِ مولائے خویش
طاقتِ انساں نہ باشد چوں کند املائے اُو

اس کے دانش مند قلب پر حقیقت کا راز مکمل ہوا
اس کی قیام گاہ اللہ والوں کا محور ہے

ختم نبوت کا نائب علم و عمل کا منبع
اس کی نگاہ حق شناس سے وحدت کا نور پھوٹتا ہے

صاحب کمال وفنون اور فضل و کرم کا سرچشمہ
اس کے دریائے علم سے ہر شخص سیراب ہوتا ہے

اہل زبانہ اس کے کمالات پر انگشت بدنداں ہیں
پوری دنیا میں ان کا ہم پلہ اور مثل کون ہے؟

اس سے نقل کو فروغ اور عقل کو جلا ملتی ہے
اس کے ایک ایک اشارے سے بہت سے حیات بخش نکات پیدا ہوتے ہیں

دن رات اس کی ذاتِ پاک علم دین کے درس میں مشغول رہتی ہے
اس کی عالی ہمت کو سیکڑوں سلام

اس کی تقریر کے واقعہ کو جادو کہوں یا شراب
اس کی شراب کا نشہ سرشار اور بے خود کر دیتا ہے

جماعتِ اولیاء کے سردار سراپا نور
ان کے رخ زیبا پر لاکھوں جانیں قربان

عالم مراد کا گلشن شجرۂ امید کا پھل
اس کے قد وقامت کی بلندی شریعت کا شجرۂ سرو ہے

ایک ایسے عالم کو میں دیکھتا ہوں کہ ہزار دل آرزوں کے ساتھ
اس کے پاؤں کے نیچے کی مٹی کو آنکھ کا سرما بنایا جائے

اپنے مولا کی مدح میں لب کھولنے والا میں کون ہوتا ہوں؟
اس کی تعریفات لکھ سکنا انسان کے بس میں نہیں

ازالۃ الوسواس: قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس'' پر جو اعتراض ہوئے ان کے جواب میں حضرت محدث امروہیؒ نے یہ کتاب لکھی۔ اس کو بھی امجد علی نے نقل کیا۔ تحذیر الناس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک روایت کی عقلی و نقلی تشریح اور زمینوں کے سات طبقہ ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر دلیلیں دی گئی ہیں۔ اس پر مولانا نانوتویؒ نے ''اجوبۂ اربعین'' بھی لکھا تھا جو علماء رام پور کے اعتراضات کے جواب میں تھا۔

رسالہ المعلومات الالٰہیہ: یہ رسالہ دو ورقوں کا مختصر عربی زبان میں ہے۔ اسے حضرت مولانا پھلاودیؒ نے اپنے قلم سے نقل کیا ہے اور ترقیمہ میں لکھا ہے:

''رسالہ معلومات الٰہیہ کہ بس متن متین است مسودۂ پارینہ اش مولوی عبدالحیٔ صاحب بریلوی کہ یکے از مریدان حاجی صاحب قبلہ سلمہ اللہ تعالیٰ ہستند بمن دادہ بودند۔ من نقلش برداشتم''

حررہ الحافظ الکسیر الشہیر بعبد الغنی الفہلاودی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ، ۹؍ جمادی الاولی روز پنج شنبہ ۱۳۱۷ھ نبشتہ شد۔ اس رسالہ کا موضوع توحید وجودی ہے۔

فتاویٰ: حضرت محدث امروہیؒ کے پاس شہر اور مضافات سے تو استفتاء آتے ہی تھے۔ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بھی استفتا آتے تھے۔ اور آپ ان کا جواب تمام عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے انداز میں اردو یا فارسی میں تحریر فرماتے تھے۔ بیرونِ ہند سے بھی بعض سوالات آتے تھے۔ ان کا بھی تشفی بخش جواب مرحمت فرماتے تھے۔

آپ کے فتاویٰ باضابطہ مرتب نہ ہو سکے مگر حضرت مولانا پھلاودیؒ کے کتب خانہ میں ایک قلمی مجموعہ ہے جس میں آپ کے چند خطوط اور بعض فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ رامپور میں خود حضرت امروہی کے قلم سے لکھے ہوئے بعض فتاویٰ موجود ہیں۔

فتاویٰ احمدیہ قلمی: حضرت محدث امروہیؒ کے قلم سے لکھے ہوئے چند فتاویٰ کتب خانہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ رام پور میں بھی محفوظ ہیں۔ (مخطوطہ نمبر ۲۵) کتب خانہ پھلاودہ میں جو مواد ہے ان میں ایک مجموعہ قلمی ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مشمولات یہ ہیں:

(۱) اقتباس المصابیح فی سنۃ تراویح، ص ۱ تا ۱۰ (بصورت خط بنام مولوی قطب الدین)

(۲) فتویٰ درباب ''جنتی دروازہ''، ص ۱۰ تا ۱۷

(۳) خط بنام مولوی سراج الدین، ص ۱۸ تا ۲۶

(۴) العجالۃ فی اثبات التوحید والرسالۃ (بطور خط) ص ۲۶ تا ۴۸۔ اس کے آخیر میں ایک فارسی قطعۂ تاریخ نوشتہ مولانا پھلاودیؒ ہے۔ جس میں ''لا ندله و لا نظیر'' سے تاریخ ۱۳۱۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

(۵) خط مولوی عبدالرحمٰن خاں خورجوی بنام مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ، ص ۴۹ تا ۵۳۔ در تحقیق مسئلہ سجدۂ تحیہ۔ جواب از طرف محدث امروہیؒ، ص ۵۴ تا ۵۸

(۶) استفتاء دربارہ عرس وجواب آں، ص ۵۹ تا ۷۹

(۷) استفتاء دربارہ امکان کذب باری تعالیٰ، ص ۸۰ تا ۸۹

(۸) سوالات از جانب شیعہ وجواب آں، ص ۹۰ تا ۱۰۸

(۹) فتویٰ اباحتِ ربوٰ فی بلاد الہند، ص ۱۰۹ تا ۱۱۴۔ اس فتوے پر دوسرے علماء کے بھی دستخط ہیں۔

(۱۰) فتویٰ در نکاح فیما بین سنی و شیعہ، ص ۱۱۴ تا ۱۱۸۔ اس پر مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ وغیرہ علماء کے بھی دستخط ہیں۔

(۱۱) رقعاتِ محدث امروہیؒ در فارسی، ص ۱۱۸ تا ۱۲۵

(۱۲) خط بنام پادری جارج بیلی در جواب بعض سوالات، ص ۱۲۵ تا ۱۲۹

(۱۳) خط بنام سید محمد خادم حسین، ص ۱۲۹ تا ۱۳۳

(۱۴) خط بنام میاں جی مولا بخش، ص ۱۳۳ تا ۱۴۰

(۱۵) مسئلہ تناسخ وآواگون، ص ۱۴۱ تا ۱۴۵

(۱۶) خط بنام مولوی محمد علی، ص ۱۴۵ تا ۱۵۴

(۱۷) فتویٰ در جواز و عدم جواز تکرار جماعت در مسجد، ص ۱۵۴ تا ۱۷۲

(۱۸) خط بنام مولوی اکبر نظر صاحب، ص ۱۷۲ تا ۱۷۸

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کا اہتمام: اہتمام کے عہدہ پر ہمیشہ اپنے وقت کے منتخب و مخصوص اور باوقار اشخاص کا انتخاب مجلس شوریٰ کے ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ جب جامعہ ہٰذا کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اس منصب پر سب سے پہلے جس شخص کا انتخاب ہوا وہ امروہہ کے باوقار اور معززین میں سے تھے۔ یہ عہدہ شروع ہی سے تقریباً تقسیم ملک کے بعد تک اعزازی رہا ہے۔ حالات کے موافق اس منصب کی ذمہ داری کو باحسن وجوہ انجام دینے کے لیے مجلس شوریٰ نے تنخواہ مقرر کی۔ اب تک اس منصب پر جتنے حضرات فائز رہے ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

جناب مولوی نادر شاہ خاں صاحب وکیل: آپ جامعہ ہٰذا کے سب سے پہلے مہتمم مقرر ہوئے۔ امروہہ کے اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے۔ امروہہ کی معزز اور باوقار شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا۔ علماء کا ادب و احترام کرتے تھے، طلباء پر شفقت، رحمت و رافت بھی فرماتے تھے۔ چند ماہ کے علاوہ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ سے ۱۳۴۶ھ تک جامعہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔ ۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ میں انتقال ہوا۔ میر محمد ابراہیم ذوق ثانی برادر حضرت پھلاودیؒ نے آپ کے انتقال پر ایک قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے اس میں معنوی و صوری دونوں قسم کی تاریخیں نکالی ہیں۔ صوری تاریخ یہ ہے

تھی جمادی الثانی کی تاریخ دسویں صاحبو ☆ سال تیرہ سو چھیالیس ہجری تھا اندوہگیں

یوم سہ شنبہ کا تھا مرحوم کا یومِ وفات ☆ جب چلے دنیائے دوں سے سوئے فردوسِ بریں

شیخ عبدالکریم صاحب وکیل: آپ خاندانِ کلال سے تعلق رکھتے تھے۔ شہر کے معززین میں سے تھے۔ چند ماہ جامعہ ہٰذا کے اہتمام کے منصب پر رہے۔

مولانا سید معظم حسنین صاحب: آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل جامعہ ہٰذا میں حضرت محدث امروہیؒ اور دیگر اساتذہ سے کی۔ آپ امروہہ کے روساء میں سے تھے اور خاندانِ حضرت

شاہ ولایت سید حسن حسینیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ باصلاحیت عالم دین تھے۔ نامور علماء میں شمار ہوتا تھا۔ حافظ عبدالرحمٰن توکلی نقشبندی مرادآبادیؒ سے بیعت تھے۔ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جامعہ ہٰذا کی مجلس شوریٰ نے منصب اہتمام آپ کو تفویض کیا۔ آپ ہی کے اہتمام میں جمعیۃ علماء ہند کا نواں اجلاس ۳،۴،۵،۶، ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ موافق ۳،۴،۵،۶ مئی ۱۹۳۰ء ہفتہ، اتوار، پیر، منگل میں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں رئیس الاحرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے علاوہ تقریباً پانچ سو علماء نے شرکت کی تھی۔ یہ اجلاس مولانا معین الدین سیتاپوری خیرآبادیؒ صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر کی صدارت میں ہوا تھا۔ اور مولانا حکیم سید طفیل حسن ابوالنظر رضویؒ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا تھا۔ اس اجلاس میں مکمل آزادیٔ ہند کا ریزولیشن باالتفاقِ رائے پاس ہوا۔ آپ کی وفات ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ موافق ۱۴؍فروری ۱۹۶۷ء بروز جمعہ ہوئی۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہارویؒ: آپ سیوہارہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ بحیثیت مدرس تقرر ہوا تھا۔ کامیابی کے ساتھ درس دیتے رہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اہتمام کی ذمہ داری بھی اہل شوریٰ نے سپرد کی۔ آپ اپنے اہتمام میں امروہہ کے دونوں مدرسوں مدرسہ جامع مسجد اور دارالعلوم چلہ کے مشترک مہتمم رہے۔ اہتمام کی مشغولیت کے باوجود درس تفسیر قرآن بعد فجر دیا کرتے تھے۔ قرآن کے درس میں کافی تعداد میں شہر کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ تین مرتبہ امروہہ سے ممبر پارلیمنٹ ہوئے۔ مسلمانانِ ہند کا یہ سچا خادم یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں اس دارِفانی سے کوچ کر گیا۔ اور درگاہِ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ میں ابدی آرام گاہ بنی۔

منشی سید عبدالحمید صاحب کاظمی: آپ محلہ ملانہ امروہہ کے رہنے والے اور امروہہ کے جاگیرداروں میں سے تھے۔ یہاں کے معززین میں سے تھے۔ کچھ عرصہ اہتمام کی ذمہ داری انجام دی۔

مولانا حافظ محمد یوسف انصاری: محلہ ملانہ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ تمام علوم متداولہ کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ہٰذا میں حضرت محدث امروہیؒ اور دیگر اساتذہ سے کی۔ یہاں ہی تدریس کا سلسلہ بھی رہا، اہتمام کے فرائض بھی انجام دئے۔ ۱۳۵۳ھ موافق ۱۹۳۳ء میں وصال ہوا۔

جناب سبط علی جعفری: محلہ چاہ غوری امروہہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا خاندان یہاں کا مشہور و معروف خاندان ہے۔ اسٹیٹ منیجر میرٹھ رہے۔ آپ بھی کچھ عرصہ مہتمم رہے۔ شوریٰ نے اہتمام کے لیے قانون بنایا کہ جامعہ ہٰذا کا مہتمم عالم اور امروہہ کا ہوا کرے گا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب انصاریؒ: آپ محلہ چاہ غوری شیش محل امروہہ کے رہنے والے تھے۔ تمام علوم متداولہ کی تحصیل جامعہ ہٰذا میں حضرت محدث امروہیؒ اور دیگر اساتذہ سے کی۔ اہلِ شوریٰ نے اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی۔ آپ کے اہتمام میں مولانا سید اعجاز حسنین نائب مہتمم رہے۔

مولانا سید اعجاز حسنین کاظمیؒ: آپ کا خاندان امروہہ کے مشہور و معروف خاندانوں میں سے ہے۔ آپ نے ابتداء سے انتہاء تک جامعہ اسلامیہ ہٰذا ہی میں تمام علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور مولانا سید معظم حسنین کے اہتمام میں ۱۹۲۷ء میں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔ مولانا سید رضا حسن امروہیؒ اور مفسر قرآن مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی امروہیؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ فراغت کے بعد جامعہ ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ آپ ایک کامیاب مدرس تھے۔ مشکوٰۃ شریف زیر درس رہی۔ پھر حالات کے پیش نظر حضرت حافظ عبدالرحمٰنؒ کے مشورہ کے بعد اہلِ شوریٰ نے پہلے نائب مہتمم پھر اہتمام کے منصب کی ذمہ داری تفویض کی۔ آپ کے دور میں جامعہ میں کافی ترقی ہوئی۔ آپ نے جامعہ کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ طلباء پر بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ جیسا کہ والدین اپنی اولاد پر ہوتے ہیں۔ نائب مہتمم کی ذمہ داری حافظ زاہد حسنؒ (خلیفۂ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) اور مولانا حامد حسنؒ نے سنبھالی۔ تقریباً پچاس سال تک اہتمام کی ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دے کر ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ موافق ۲۶ مئی ۱۹۸۶ء کو اپنے خالق سے جا ملے اور جامع مسجد کے جنوبی گوشے میں اپنے استاد کی پائینتی ابدی آرام گاہ بنی۔

مولانا سید حامد حسنؒ: آپ کا گھرانہ علم، تقویٰ و تقدس میں امروہہ میں مشہور و معروف ہے۔ آپ نے ابتداء سے شرح جامی تک دارالعلوم چلہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ مختلف جگہوں پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد جامعہ

کے نائب مہتمم بعدہٗ مولانا سید اعجاز حسنین کے انتقال کے بعد اہتمام کے منصب پر فائز ہوئے۔ اکثر اہلِ شوریٰ خصوصاً مولانا سید اسعد مدنیؒ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کو اہتمام کی ذمہ داری سپرد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت مفتی صاحب نے مولانا موصوف ہی کو اہتمام کے لیے منتخب کیا۔ ۱۳۷۱ھ سے ۱۴۰۶ھ تک نائب مہتمم، پھر ۱۴۰۶ھ سے ۱۴۲۴ھ تک مہتمم رہے۔ ۲۴؍شوال ۱۴۲۴ھ میں وفات ہوئی۔

مولانا سید محمد قاسم صاحبؒ: آپ مولانا سید حامد حسن صاحبؒ کے صاحبزادے تھے۔ حفظ قرآن اور علوم عربیہ مختصر المعانی تک جامعہ اسلامیہ ہٰذا میں حاصل کرنے کے بعد از ہر ہند دار العلوم دیوبند میں تمام علوم کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تدریس کا سلسلہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور سے آغاز کیا۔ دو سال کے بعد پھر افتاء میں دار العلوم میں داخلہ لیا۔ بعدہٗ فنون وغیرہ بھی مکمل کیے۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ وڈالی گجرات میں مدرس مقرر ہوئے۔ وہاں کے شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ کشمیری گیٹ، دہلی میں مدرس مقرر ہوئے۔ بزرگوں کے مشورے کے بعد جامعہ ہٰذا میں تدریس کے لیے انتخاب ہوا۔ ساتھ ہی نائب مہتمم کی ذمہ داری بھی سپرد کی گئی۔ اپنے والد مولانا سید حامد حسنؒ کے انتقال کے بعد قائم مقام مہتمم رہے۔ ۶؍اپریل ۲۰۰۷ء کو وفات ہوئی۔

ڈاکٹر (مولانا) سید محمد طارق حسن: آپ مولانا سید حامد حسن صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے اور مولانا محمد قاسمؒ کے برادر اکبر ہیں۔ جامعہ ہٰذا میں ابتداء سے شرح جامی تک علوم عربیہ کی تحصیل کر کے علوم عصریہ کی تکمیل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کی۔ جامعہ آپ کے اہتمام میں ترقی کی طرف گامزن ہے۔

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد کے صدر المدرسین: مدارس اسلامیہ عربیہ کے لیے یہ دونوں عہدے بڑے عظیم ہیں اور ان دونوں ہی سے مدارس کی ترقی ہوتی ہے۔ جب جامعہ اسلامیہ ہٰذا کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اس کے سب سے پہلے صدر مدرس یا شیخ الحدیث سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ مقرر ہوئے۔ ایک طرف تو آپ حضرت نانوتویؒ کے ممتاز شاگرد ہیں دوسری طرف حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ آپ نے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی مسند کو رونق بخشی۔ یہاں سے پہلے خورجہ،

سنبھل، دہلی، مراد آباد کی مسندِ صدارت پر بھی فائز رہے۔ آپ کے دور میں جامعہ کی ہند و بیرون ہند کافی شہرت ہوئی۔ تشنگانِ علوم اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے امروہہ آئے۔ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ سے ۱۳۳۰ھ تک جامعہ کے صدر مدرس رہے۔ ۲۸، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ موافق ۱۹ر مارچ ۱۹۱۲ء میں وصال ہوا۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سندیلوی ؒ ثم امروہی: آپ حضرت محدث امروہیؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت محدث امروہیؒ کے انتقال کے بعد مسند صدارت پر فائز رہے۔ چند سالوں کے علاوہ تاحیات اس منصب کو زینت بخشی۔ ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء میں وفات ہوئی۔

شیخ الاسلام سید مولانا حسین احمد مدنیؒ: مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ کے ڈابھیل چلے جانے کی وجہ حضرت مدنیؒ اپنے مربی حضرت شیخ الہندؒ کی ایما پر جامعہ کی مسند حدیث کو رونق دی اور اپنے فیوض علمیہ سے تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ تقریباً چھ ماہ تک صدر المدرسین کے عظیم عہدہ پر فائز رہے اور آخر وقت تک جامعہ کے سرپرست نیز رکن مجلس شوریٰ رہے۔

مولانا سید رضا حسن صاحبؒ: ۲۷ر رجب ۱۲۹۵ھ موافق ۱۸۷۸ء میں ولادت ہوئی۔ آپ حضرت محدث امروہیؒ کے برادر زادے، داماد اور شاگرد تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ کے ڈابھیل تشریف لے جانے کے بعد کچھ عرصہ مسند صدارت پر متمکن رہے۔ ۴ر ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ موافق ۲۱ر نومبر ۱۹۴۴ء میں وفات ہوئی۔

مولانا عبدالقدوس صاحب صدیقیؒ: آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل جامعہ ہٰذا ہی میں کی۔ نہایت ذہین و ذکی تھے۔ فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر تدریس کی خدمات انجام دیں۔ بعدہٗ جامعہ میں ہی مدرس مقرر ہو گئے۔ اپنے والد مولانا حافظ عبدالرحمٰن مفسر امروہیؒ کے انتقال کے بعد اہل شوریٰ نے مسند صدارت تفویض کی۔ ۹ر مئی ۱۹۶۷ء میں وصال ہوا۔

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہیؒ: آپ کا خاندان امروہہ کے چند خاندانوں میں علم و ادب کے اعتبار سے مشہور و معروف ہے۔ آپ نے ابتداء سے مشکوٰۃ شریف تک جامعہ ہٰذا ہی میں علومِ عربیہ حاصل کر کے دورۂ حدیث کی تکمیل از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں کی۔ بعدہٗ افتاء بھی کیا اور

مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ سے لاہور جاکر تفسیر مکمل کرکے سند حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں فنون وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ نے مدرسہ اشفاقیہ بریلی کی تدریس کے لیے بلا لیا۔ وہاں آپ دو سال تک شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب پر رہے۔ پھر اپنے وطن تشریف لے آئے۔ مولانا سید اعجاز حسنینؒ کی تحریک پر اہل شوریٰ نے جامعہ ہٰذا میں مدرس مقرر کیا۔ درس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی تفویض کی۔ مولانا عبدالقدوس صاحبؒ کے انتقال کے بعد صدر مدرس کے منصب پر رہے۔ بینائی جاتے رہنے کی وجہ سے اس سے استعفا دے دیا لیکن منصب افتاء آخر تک آپ سے متعلق رہا۔ مجلس شوریٰ کی تحریک پر مولانا اسعد مدنیؒ نے آپ کو ناظمِ تعلیمات کی ذمہ داری بھی سپرد کی تھی۔ شہر مفتی کی حیثیت صرف آپ کو ہی حاصل ہوئی۔ آپ کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔ امروہہ اور ملحقات امروہہ کے لوگوں کے مرجع تھے۔ ہر چھوٹا بڑا آپ کے فیصلہ کو بسر وچشم قبول کرتا تھا۔ ۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ موافق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز منگل وصال ہوا۔

اب یہ عہدہ دو جگہ تقسیم کیا گیا۔ صدر مدرس کے منصب پر مولانا شبیہ احمد فیض آبادیؒ اور شیخ الحدیث کی مسند پر مولانا سید طاہر حسن امروہیؒ رہے۔

مولانا منظور احمد صاحبؒ: آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ ہٰذا میں کی۔ فراغت کے بعد اہلِ شوریٰ خصوصاً مولانا سید اعجاز حسنینؒ، مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کی تحریک پر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی تدریس کا سلسلہ تقریباً ۶۲ سال تک رہا۔ مولانا شبیہ احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد قائم مقام صدر مدرس رہے۔ ۷/ شعبان ۱۴۲۸ھ موافق ۲۰/ اگست ۲۰۰۷ء میں وصال ہوا۔